

آخری چٹان

حصہ دوئم

ششم حجازی

فہرست

03	سازش
28	تیرا حصہ۔۔۔ آگ اور خون
42	اہم نصیلے
57	قدرت کا ہاتھ
82	شیرخوارزم
110	دیارِ غیر
137	بد عہدی
158	ایک اور کوشش
173	آخری شکست
195	آخری پیغام
207	انجام

سازش

چند دن بعد وزیر اعظم کے محل کے ایک کشادہ کمرے میں امراء سلطنت تازہ صورت حالات پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ظاہر بیویوں کی تقریبیں موضوع بحث تھیں۔ ایک عہدے دار نے کہا۔ وہ ایک دیوانہ ہے، اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے گرفتار کر لیا جائے اور جب خلیفہ کا حکم بھی یہی ہے تو ہمیں ہم انجاری سے کام نہیں لیتا چاہتے۔

وہ مرے نے کہا۔ اس نے کسی ایک شخص پر الزامات نہیں لگائے لیکن بغداد کے لوگوں کی نظر میں ہم سب مجرم ہیں۔ اس کا تدارک فوراً ہونا چاہتے۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بغداد کی ہر فرقے کے افراد اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ گزشتہ چالیس برس سے میں نے شیعہ اور سُنی کو ایک ساتھ چلتے نہیں دیکھا لیکن اب یہ سنا ہے کہ ان کے مکان کے ایک دروازے پر شیعہ پہرہ دے رہے ہیں اور وہ مرے پر سُنی ہیں۔ گزشتہ سب چوک مامونیہ میں مناظرہ ہونے والا تھا۔ میں خود وہاں موجود تھا۔ اس نے قبل از وقت وہاں پہنچ کر تقریب شروع کر دی اور شاید گزشتہ دو صدیوں میں یہ پہاام موقع تھا کہ ایک شخص تمام فرقوں کو کوس رہا تھا اور سماعین خاموش تھے اور جب اس نے یہ سوال کیا کہ تم اب بھی بنا چاہتے ہو تو اکثر نے نہیں میں جواب دیا اور اس کی تقریب کے بعد سے سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ شیعہ اور سُنی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ اس لیے ہم اسے دیوانہ کہہ کر اپنے آپ کو دھوکہ دیں گے۔ اگر اسے اس وقت گرفتار کیا گیا تو بغداد کے عوام ہمارے متعلق یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم واقعی کسی سازش کے انکشاف سے ڈرتے ہیں اور مجھے یہ خدا شہ ہے کہ وہ پر امن طریقے سے گرفتار ہونے کے لیے

تیار بھی نہ ہوگا۔ ہمیں جلد بازی کی بجائے مذہب سے کام لینا چاہیے۔

نیا وزیر خارجہ مہلب بن داؤد جواس سے قبل وحید الدین کا نائب رہ چکا تھا، ایک نوجوان تھا۔ لوگ اس کے علم کے ہترف تھے اور اس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ بہت دور کی سوچتا ہے۔ وزیر اعظم نے اس کی رائے دریافت کی تو اس نے کہا۔ میرے خیال میں ہمیں پہلی تقریر کے بعد ہی اسے گرفتار کر لینا چاہیے تھا۔ اب اس نے ہماری کوتا ہی سے فائدہ اٹھا کر احمدوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اب اس پر ہاتھ ڈالنا خطرناک ضرور ہے لیکن بغداد کو بغاوت سے بچانے کے لیے ہمیں یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔

ناظم شہر نے اٹھ کر کہا۔ اگر وہ وزیر خارجہ یہ سمجھتے ہیں کہ میری طرف سے کوتا ہی ہوئی ہے تو میں یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں نے اسی رات اس کے مکان پر چھاپہ مارا تھا مگر وہاں اس کے نوکروں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اگلی رات مجھے جاسوسوں نے پتہ داے کہ وہ شہر کی ایک مسجد میں ہے۔ میں نے دوسرا ہی وہاں بھیجے لیکن اس کی حفاظت کے لیے وہاں تین ہزار نوجوان موجود تھے۔

وزیر خارجہ نے کہا۔ لیکن ہمارے پاس سپاہیوں کی کمی نہ تھی۔

وزیر اعظم نے جواب دیا۔ ہمارے سپاہیوں اور افسروں میں سے بہت سے لوگ اس کی طرف دار بن چکے ہیں۔ میرے مکان پر بھی گزشتہ دنوں جتنے فیصلے ہوئے ہیں۔ اسے کسی نہ طرح ان کی اطلاع ملتی رہی ہے۔ ایک شام ہمیں پتہ چلا کہ وہ عشا کی نماز کے بعد جامع مسجد میں تقریر کرے گا۔ میں نے پانچ سو سپاہی شہر لباس میں وہاں بھجوادیے۔ انہیں یہ ہدایت کی تھی کہ تقریر کے بعد اس کے گرد گھیرا ڈال لیں اور جس وقت وہ مسجد سے باہر نکلے، اسے گرفتار کر لیں لیکن اسے بروقت پتہ چل

گیا اور مسجد میں نہ آیا۔ اب خلینہ کا حکم یہ ہے کہ اسے بہر صورت گرفتار کیا جائے اور ہمارے لیے اس حکم کی تمعیل کے سوا چارہ نہیں۔ پچاس مفتیوں نے آج یہ فتوی دے دیا ہے کہ وہ با غی ہے۔ کل یہ فتوی مشتہر کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہم عوام کا رو عمل دیکھ کر مناسب قدم اٹھائیں گے۔

باتی امراء چلے گئے لیکن مہلب بن داؤد کچھ دیر و زیر اعظم کے ساتھ باقی کرتا رہا۔ مہلب نے پوچھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ بغداد میں اس کے پرانے دوست کون کون ہیں؟

وزیر اعظم نے جواب دیا۔ قاسم کو سب پتہ ہے۔

مہلب کی درخواست پر وزیر اعظم نے ایک خادم کو حکم دیا اور قاسم کو بala لیا۔ قاسم کی آمد پر وزیر اعظم اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور قاسم اور مہلب دیر تک باقی کرتے رہے۔

قاسم کہہ رہا تھا۔ میرے خیال میں اس کے دوستوں میں سے صرف افضل ایسا ہے جس سے ہم کام لے سکتے ہیں۔ اسے ظاہر کے ساتھ دل چسپی ضرور ہے لیکن اس نے عبدالعزیز، مبارک اور عبدالملک کی طرح ملازمت سے استغفی نہیں دیا۔ مہلب نے پوچھا۔ اگر آپ اسے کل شام یہاں کھانے کی دعوت دیں تو وہ آجائے گا؟

وہ پچھلے دنوں چند بار مجھ سے مل چکا ہے اور میں یہ کہہ ستا ہوں کہ ہمارے تعلقات اس قدر برے نہیں۔ ایک دن اس نے اپنے گزشتہ گستاخیوں کے لیے مخذرات بھی کی تھی اور جب تک وہ حکومت کا ملازم ہے ہم اسے کئی سبز باغ دکھا سکتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے یہاں لانے کا کام نئے سپہ سالار کے سپر دکر

دیا جائے۔

مہلب نے اٹھ کر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ تو بہت اچھا! کل آپ کے ہاں
میری، سپہ سالار اور افضل کی دعوت ہے۔

صفیہ آج بھی حسب معمول برآمدے کی چھت پر کھڑی اس کمرے کے روزن
سے کان لگا کر بہت کچھ سن چکی تھی۔ جب قاسم اور مہلب باہر نکل گئے تو وہ نیچے اُتر
کراپنے کمرے میں پہنچی۔ اس نے برابر کے کمرے میں جھانک کر دیکھا، سیکنڈ سو
رسی تھی صفیہ سونے سے پہلے روز کے ہر تازہ واقعات کے متعلق ایک مختصر سامضمون
لکھ کر علی الصباح محل کے دروازے کے ایک پہرے دار کو پہنچایا کرتی تھی۔ وہ حسب
معمول کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئی۔ لیکن چند سطور لکھنے کے بعد اس کے دل میں ایک
نیا خیال پیدا ہوا اور یہ خیال اس کے دل کے خاموش تاروں کے لیے ایک مضراب
بن گیا۔ پھر ہلکے اور میٹھے سر بلند ہوتے گئے اور اسے محسوس ہونے گا کہ دل کش نغمہ
ایک مہیب تارنہ بن کر ساری کائنات کو اپنی آغوش میں لے رہا ہے، یہ ایک آندھی
جو اُسے اڑائے لے جاوے تھی۔ ایک سیااب تھا جو اسے بہائے لے جا رہا تھا۔

بادلوں کی گرج اور تندر ہواں کی چینیں خوف ناک تھیں لیکن اس آندھی کے
ساتھ اُڑنے کا خوف نہ تھا۔ سیااب کی لہریں حوصلہ شکن تھیں۔ لیکن وہ بہنا چاہتی تھی
اس کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔ قید خانے کے دروازے کھلانے لگے۔ بغداد کے اوپنے
ایوان اس کی نگاہوں سے روپوش ہو رہے تھے۔ وہ طاہر کے ساتھ سحرائے عرب کے
ایک نخلستان میں کھڑی تھی۔ جذبات کے بیجان میں کانپتے ہوئے قلم اس کے ہاتھ
سے گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ سازِ هستی کے تارا چاکنک ٹوٹ گئے ہیں، کشادہ
کمرہ اسے قفس نظر آنے لگا۔ اس نے گرا ہوا قلم اٹھایا لیکن لکھنے کی بجائے کاغذ پر

اٹی سیدھی لکیریں کھینچنے لگی اور پھر کچھ سوچ کر خالی جگہوں پر طاہر بن یوسف کا نام لکھنے لگی۔ پھر اس نے کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا اور اٹھ کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ بار بار یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے رہی تھی۔

(۲)

اگلی رات قاسم کے دسترخوان پر نیا سپہ سالار، مہلب اور افضل موجود تھے۔
کھانے کے بعد ہو دریا کے کنارے قاسم کے ملاقات کے کمرے میں پہنچے۔
کھانے کے کمرے کے روزان سے کان لگا کر صفیہ طاہر کے متعلق کوئی خاص بات نہ سن سکی۔ جب وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لیے اٹھنے تو وہ ان سے پہلے ہی تنگ سیڑھی کے راستے باہر کی گیاری میں جہاں اس کمرے کے در پنج کھلتے تھے، جا پہنچی۔ وہ آکر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ بالآخر مہلب نے سپہ سالار سے کہا۔ وزیر اعظم کا خیل ہے کہ افضل کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دیا جائے۔ مگر قاسم نے میرے سامنے ان کی تعریف کی تھی۔ فوج میں قابل اور وفا دار نوجوان کی بہت ضرورت ہے، وزیر اعظم کو عبدالعزیز اور عبدالمالک سے بہت امید تھی لیکن میں نے سنائے کہ وہ مستعفی ہو کر طاہر بن یوسف کی حمایت کر رہے ہیں سپہ سالار نے کہا۔ وزیر اعظم چاہیں تو ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مہلب نے کہا۔ اس کے علاوہ ہمیں مصر کے لیے نئے سفارتی ضرورت ہے۔ اگر عبدالمالک کی وفاداری مشکوک نہ ہوتی تو میرے نزدیک وہ اس عہدے کے لیے نہایت موزوں تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ طاہر بن یوسف نے اچھے بھلے نوجوانوں کو گم راہ کر دیا ہے۔ کیوں قاسم تمہارا خیال ہے۔ اگر میں خلینہ سے سفارش کروں تو

فضل اس ذمہ داری کو سنبھال سکے گا؟

قاسم نے جواب دیا۔ مجھے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن ڈر ہے کہ شاید عبد الملک اور عبدالعزیز کے دوست ہونے کی وجہ سے یہ بغداد چھوڑنا پسند نہ کریں۔

فضل کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے سامنے اچانک کھلونوں کا ڈھیر لگا دیا گیا ہو۔ وہ وزیر اعظم کے محل میں سپہ سالار اور وزیر خارجہ کے ساتھ کھانا کھا چکا تھا۔ بغداد میں اس کے لیے سپہ سالار کا دوست راست اور مصر میں اس کے لیے سنیر بنے کے دروازے کھل چکے تھے۔ اسے اپنی زندگی میں پہلی بار اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ اس نے جھکختے ہوئے کہا۔ اگر میں بغداد کی کوئی خدمت کر سکوں تو کسی کو دوستی میرے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

مہلب نے فوراً جواب دیا۔ آپ بغداد کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ عبد الملک اور عبدالعزیز کو افسوس ناک تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے

وہ کیا؟

انہیں سمجھا میں!

فضل نے جواب دیا۔ میری زبان طاہر کا جاؤ ورنہ میں تو ہو سکتی۔

طاہر کے متعلق ہمیں اب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ خوارزم کے ایما پر بغداد میں بغاوت کروانا چاہتا ہے۔ جس دن اس کا منتصد پورا ہوگا۔ وہ خوارزم چلا جائے گا لیکن اس کی کارگزاری کی سزا اس کے دوستوں کو ہمگلتا اپڑے گا۔

افضل جانتا تھا کہ یہ ظاہر کے خلاف ایک بہتان ہے لیکن جب انسان کے دل میں بری خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ ضمیر کو تسلی دینے کے لیے غلط باتوں پر بھی یقین کر لیتا ہے۔ وہ بولا۔ اگر یہ بات ہے تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟
مہلب نے کہا۔ ہم اسے گرفتار کرنا ضروری سمجھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ فوج کے ساتھ ان لوگوں کا تصادم ہو جنہیں اس نے جھوٹی پچی باتوں سے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ایک مجرم کو گرفتار کرنے کے لیے کئی بے گناہوں کو خون بپایا جائے۔ ہم ظاہر کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں کرنا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال دیا جائے۔ اس کے چلے جانے کے بعد یہ فتنہ خود بخوبی ختم کر جائے گا۔

افضل کی دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ لوگ اس کے خون کے پیاس سے ہیں لیکن اس کے ضمیر کے لیے یہ ایک اور تسلی تھی۔ اس نے کہا۔ اگر آپ مجھے یقین دلائیں کہ اس پر سختی نہیں کی جائے گی تو میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مہلب نے کہا۔ اس پر سختی کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ اس کی نیت بُری نہیں۔ خلیفہ یا حکومت کے کسی عہدے دار کے متعلق غلط فہمی میں مبتدا ہو کر اگر وہ بغداد کے لوگوں کو بھڑکانے کی بجائے سیدھا ہمارے پاس آتا تو ہم اس کی غلط فہمی دُور کر سکتے تھے لیکن اب جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا، ان کے ساتھ ہم بات تک نہیں کر سکتے۔ میرے لیے یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ اتنا بہادر اور بیدار مغز نوجوان قوم کے کام آنے کی بجائے قوم میں انتشار ڈال رہا ہے اور وہ بھی ایک غلط فہمی کی وجہ سے۔ میں نے اس کے ساتھ ملاقات کی کوشش کی لیکن اس

کی خفیہ محفلوں تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اگر آپ میری مدد کریں تو ایک بہت بڑا کام ہو گا۔

سپہ سالار نے کہا۔ افضل اگر اس بارے میں کچھ کہ سئتا تو یقیناً آپ کا ساتھ دے گا۔

قاسم نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ جو شخص مسلمانوں کی بہتری کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ وہ کسی کی دوستی کی پروانیں کرے گا؟ افضل کے ضمیر پر اب ملامت کا بوجھہ ہلاکا ہو چکا تھا۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں چونکہ ابھی تک فوج سے مستعفی نہیں ہوا۔ وہ مجھ پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے۔ طاہر کے چند ٹھنکے نے مجھے معلوم ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ آج وہ کہاں ہو گا؟ اسے صرف رات کو سوتے وقت پکڑا جاسئتا ہے۔ دن کے وقت اس کے گرد بہت آدمی ہوتے ہیں۔ میں ایک دو دن تک آپ کو پتہ دے سکوں گا کہ وہ ان دنوں کہاں سوتا ہے۔

مہلک نے کہا۔ اگر آپ اس مہم میں کامیاب ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ خلینہ اور وزیر اعظم ذاتی طور پر آپ کا شکریہ ادا کریں گے اور ممکن ہے کہ آپ کو نہایت اہم عہدے کا مستحق سمجھا جائے۔

فضل نے کہا۔ لیکن آپ یہ وعدہ یاد رکھیے کہ طاہر کے ساتھ برا بر تاؤ نہیں کیا جائے گا۔

مہلک نے جواب دیا۔ میں اس وعدے پر قائم ہوں۔

مہلک نے اٹھتے ہوئے قاسم سے کہا۔ ابھی وزیر اعظم سے ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے۔

قاسم نے جواب دیا۔ نہیں۔ میں خود چاہتا ہوں کہ جب تک ہم اس مقصد

میں کامیاب نہیں ہوتے، ہماری دوڑ دھوپ کا کسی کو علم نہ ہو۔

(۳)

قاسم اپنے مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے باہر کے دروازے تک ان کے ساتھ آیا۔ دروازے پر پہنچ کر مہلب نے کہا۔ مل وزیر اعظم نے شکایت کی تھی کہ ان کے جاسوسوں سے آپ کا محل محفوظ نہیں۔ کسی نے آج بھی ہماری باتیں سن لی ہوں تو؟

قاسم نے ہستے ہوئے جواب دیا۔ اس کمرے کی چھت میں صرف کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا ہے اور ان کے کان ہیں، زبان نہیں۔

لیکن واپس آتے وقت قاسم کسی قدر پریشان ہو کر اس سوال کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے خدشہ محسوس ہونی لگا کہ اگر طاہر کو اس سازش کا پتہ چل گیا تو اس کی آئندہ تقریر بہت سخت ہو گی۔

راستے میں پھولوں کی کیاری سے اس نے چند پھول توڑے اور اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ کروہ تھوڑی دیر کے لیے کھڑا سوچتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا صفیہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ خدا جانے اسے مجھ سے اس قدر چڑھ کیوں ہے۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔

اگر وہ سورہ ہوتی تو قاسم دبے پاؤں اس کے بستر پر پھول رکھ کر چلا آتا۔ لیکن اس کمرے کے نیم دا دروازے میں سے روشنی آرہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر زکا اور کچھ سوچ کر واپس چل دیا لیکن دو تین قدم چلنے کے بعد اسے کمرے کے اندر کسی کے آہستہ آہستہ بولنے کی آواز آئی۔ سکینہ اور صیہ ایک دوسری کو سوتے وقت کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ لیکن یہ آواز قدرے موٹی تھی۔ پھر اسے صفیہ

آہستہ آہستہ بولتی سنا تی دی اور وہ جلدی سے مُڑ کر دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا۔
دیکھو! یہ باتوں کا وقت نہیں۔ تم جلدی جاؤ۔ میں بار بار تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔
یہ لومیری انگوٹھی۔ میں تمہیں اور بھی بہت کچھ دوں گی!

قاسم جلدی سے پچھپے ہٹ کر ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھلا اور
رایک لوٹدی تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی قاسم کے قریب سے گزر گئی۔

قاسم دبے پاؤں وہاں سے نکلا اور ایک اور راستے سے لوٹدی سے پہاڑ کی
سیڑھیوں پر جا پہنچا، لوٹدی نے نیچے اترنے ہوئے اسے دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گئی۔
تم اس وقت کہاں جا رہی ہو؟ قاسم نے سوال کیا۔

جی میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔! لوٹدی خوف زدہ ہو کر کانپنے لگی۔

قاسم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میں بخوبت نہیں ہوں۔ تم ڈرتی کیوں ہو؟
ادھر آؤ!

قاسم نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گیا۔

بتا کہاں جا رہی تھی تو؟

لوٹدی نے چند اٹے سیدھے بہانے کیے لیکن قاسم نے ایک چمکتا ہو انہیں نکال
کر دکھایا تو وہ چلائی۔ میں سب کچھ بتا دیتی ہوں۔ مجھے صفیہ نے یہ خط دے کر بھیجا
ہے۔

کہاں؟

دروازے کے ایک پہرے دار کے پاس؟
بکتنے ہو تم۔ قاسم نے خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

نہیں۔ میں سچ کہتی ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ پہرے دار یہ خط کہاں

لے جائے گا۔

وہ خط کہاں ہے؟

لوٹدی نے اپنی آستین سے ایک ریشمی رومال نکالا اور اس کے اندر لپٹا ہوا کاغذ نکال کر قاسم کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاسم نے یہ رقہ پڑھا۔ مختصر تحریر یہ تھی۔

”آپ کے متعلق ایک خطرناک فیصلہ ہو چکا ہے۔ افضل آپ کو پکڑو انے کا عہد کر چکا ہے۔ بہت سے باتیں ایسی ہیں جو میں زبانی کہنا ضروری سمجھتی ہوں۔ قاصد آپ کو وہ جگہ بتادے گا جہاں آپ مجھے کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مل سکتے۔ خدا کے لیے ضرور آئیں!“

غصے سے قاسم کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ لوٹدی اس کی سفاک آنکھوں کی تاب نہ لا کر رو نے لگی۔

خاموش! قاسم نے گرج کر کہا۔

میں بے قصور ہوں۔ مجھ پر حرم کیجیے۔ میں ایک لوٹدی ہوں۔ میں صفیہ کے حکم کی تعییں سے انکار کیسے کر سکتی تھیں۔ مجھے معاف کیجیے۔

تمہارے بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔

صفیہ نے ملاقات کے لیے کون سی جگہ بتائی ہے اور وہ پہرے دار کون ہے جس کے پاس تم یہ خط لے جا رہی ہو۔

وہ سعید ہے اور صفیہ نے مجھے کہا ہے سعید اسے جنوبی دروازے پر لے آئے۔ اس سے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات ہوئی ہے؟

نہیں۔

پیام رسانی؟

ہاں!

تمہیں معلوم نہیں کہ جس کے پاس یہ پیغام جاتے ہیں، کون ہے؟

جی نہیں۔ اس کا صرف سعید اور جنوہی دروزہ کے پھرے دار کو علم ہے۔ صفیہ

نے مجھے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ ایک بے گناہ کی جان بچانا چاہتی ہے۔

بہت اچھا۔ تم ابھی یہ رُقہ سعید کو جا کر دے دو لیکن اگر تم نے اسے بتا دیا کہ میں نے یہ رُقہ دیکھ لیا ہے تو تمہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر دجلہ میں پھینک دیا جائے گا اور واپس آ کر صفیہ سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا لیکن اگر اس نے یہ پوچھا کہ تم نے دیر کیوں لگائی تو تم کیا جواب دو گی؟

لوئٹھی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ میں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ میں کہوں گی کہ میں نماز کے لیے زک گئی تھی۔

تم بہت ہوشیار ہو۔ یہ لو۔ تمہیں اور بھی بہت کچھ ملتے گا۔ قاسم نے چند سنہری سکے اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

(۳)

سعید نے بغداد کی گنجان آبادی کا ایک تنگ گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک پُرانے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک شخص باہر نکلا اور سعید کو پہچان کر ایک اور تنگ گلی میں لے گیا۔

کوئی ضروری پیغام ہے؟ اس نے راستے میں سوال کیا۔

نہایت ضروری۔

تموڑی دیر بعد وہ دونوں ایک سہ منزلہ مکان کے دروازے پر ز کے اور سعید کے ساتھی نے پانچ دفعہ تموڑے تموڑے و قفے کے بعد دروازہ کھٹ کھٹایا۔ کسی نے اندر سے دروازے کی چھوٹی سی کھڑ کی کھول کر باہر جھاڑا اور سعید کے ساتھی کو پہچان کر دروازہ کھول دیا۔

سعید کے ساتھی نے کہا۔ انہیں اندر لے جاؤ!

سعید اندر داخل ہوا تو پہرے دار نے پھر دروازہ بند کر دیا۔

تموڑی دیر بعد طاہر، عبد العزیز اور عبد الملک صفیہ کا رُقعہ پڑھ کر سعید سے طرح طرح سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ سعید نے اس بات کی تصدیق کی کہ افضل محل میں گیا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس نے مہلب اور سپہ سالار کو بھی وہاں آگے جاتے دیکھا ہے لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ صفیہ نے طاہر کو اس وقت کیوں بلا�ا ہے۔ تینوں دوست کچھ دیر اس موضوع پر بحث کرتے رہے۔ عبد العزیز کی رائے تھی کہ سپہ سالار وزیر خارجہ اور وزیر اعظم نے افضل سے ہمارے ٹھکانے معلوم کر کے یقیناً کوئی خطرناک فیصلہ کیا ہوگا اور صفیہ ایک عورت کی طرح آپ کے مقصد سے آپ کی جان کو زیادہ قیمتی خیال کرتی ہے۔ وہ غالباً آپ سے یہی کہے گی کہ آپ چاروں طرف سے خطرے میں گھرے ہوئے ہیں، اس لیے اپنی جان کی فکر کیجیے۔

عبد الملک نے کہا۔ اپنی معلومات کی روشنی میں صفیہ کو عام اڑ کیوں میں شمار کرنے پر احتیاج کرتا ہوں، اگر اسے نسوانی جذبات کا اظہار مقصود ہوتا تو وہ اس خط میں چند سطور کا اضافہ کر سکتی تھی۔

عبد العزیز نے کہا۔ لیکن اس خط کا اختصار تو صرف یہ ظاہر کاتا ہے کہ اسے لکھنے کامو قع نہیں ملا۔

عبدالملک نے کہا۔ یعنی اسے کوئی مجبوری درپیش ہوگی۔ اس مجبوری کی وجہ سے اس نے طاہر کو بُلا�ا ہے۔ اب اگر طاہر نہ گیا تو وہ کیا خیال کرے گی!

طاہر نے اٹھ کر تلوار سنہجاتے ہوئے کہا۔ اس نے مجھے خدا کے نام کا واسطہ دیا ہے۔ میں ضرور جاؤں گا۔ اس نے ایک دفعہ میری جان بچائی ہے اگر میرے سر پر اس کا یہ احسان نہ بھی ہوتا تو بھی میں اپنی قوم کی بیٹی کی آواز پر لبیک ضرور کہتا۔ عبد العزیز نے کہا۔ تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔

نہیں۔ طاہر نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی خطرہ ہوتا تو وہ مجھے وہاں تھہا پہنچنے کی دعوت نہ دیتی۔

(۵)

وزیر اعظم کے محل کے جنوبی پھاٹک سے اندر داخل ہونے کے بعد طاہر کو چاند کی روشنی میں صفیہ دکھائی دی۔ وہ کھلی فضائے نکل کر ایک گھنے درخت کے سامنے میں کھڑی ہو گئی۔ طاہر نے اس کے قریب پہنچ کر کہا:-
کہیے!

مجھے افسوس ہے کہ آپ کا ایک دوست غدار ہو گیا ہے۔
طاہر نے کہا۔ یہ اب تک آپ اپنے مکتوب میں طاہر کرچکی ہیں۔ وہ ضروری باقی میں پوچھنا چاہتا ہوں جن کا آپ نے خط میں ذکر کیا ہے۔

خشک پتوں کے اس انبار کی طرح جنہیں تیز گولہ اڑا کر لے جاتا ہے۔ صفیہ نے الفاظ کے جو ذخیرے جمع کیے تھے، وہ منتشر ہو گئے۔ وہ خود اپنے دل سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے اسے کیوں بُلا�ا ہے؟

اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میری ایک

درخواست ہے۔

میرے لیے آپ کی ہر درخواست حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

حکومت آپ کو گرفتار کرنے پر تلی ہوتی ہے۔ اگر چند دن وہ آپ کو پر امن طریقے سے گرفتار نہ کر سکتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ قوت کے استعمال سے بھی درلغع نہیں کریں گے۔

طاہر نے اطمینان سے کہا۔ مجھے معلوم ہے۔

تو خدا کے لیے یہاں سے چلے جائیں۔ آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔

میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کو ہر وقت خطرہ ہے۔

میں خطرات سے نہیں ڈرتا لیکن آپ کو مشورے سے پہلے ہی میں یہاں سے جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

کب جائیں گے؟

بہت جلد۔

تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جیسے!

طاہر چونک کرایک قدم پچھے ہٹ گیا لیکن صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا دامن پکڑ لیا۔ اس نے کہا۔ یہ محل میرے لیے ایک قید خانہ ہے۔ دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ میں اس زندگی سے تنگ آچکی ہوں۔ میں مدینے جا کر کسی جھونپڑی میں رہنا پسند کروں گی۔ مجھے بغداد سے انفرت ہے۔ مجھے ان ایوانوں سے انفرت ہے جہاں انسان کے بھیس میں سانپ رہتے ہیں۔

آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میری منزل مدینہ نہیں خوارزم ہے۔

میں وہاں جانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

لیکن وہاں کے حالات آپ کو معلوم نہیں۔ وہاں پہلے ہی قوم کی ہزاروں الیسی بیٹیاں موجود ہیں جن کا نگہبان کوئی نہیں۔ میں ان میں ایک اور اضافہ نہیں کرنا چاہتا

تو میں آپ کے واپس آنے تک انتظار کروں گی۔ آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے بھول نہیں جائیں گے۔

طاہر کوڑیا کا خیال آیا اور اس نے معموم آواز میں کہا۔ مجھ سے غلطی ہوتی۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو میرے مقاصد سے ہمدردی ہے۔

صفیہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے درد بھری آواز میں کہا۔ آپ جائیں۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ اپنے دل میں انسانیت کا در در کھتے ہیں لیکن آپ خود پسند ہیں۔ آپ کو صرف اپنی ذات سے محبت ہے۔

طاہر نے کہا۔ کاش! آپ کو معلوم ہوتا کہ میں کانٹوں پر چلنے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں گھسیٹ سنبتا۔ آپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ شاید میں اس کا بدلہ نہ دے سکوں۔ میری گردن ہمیشہ جھکی رہے گی۔ میں خود پسند نہیں ہوں لیکن ایک سا ہی کی زندگی میں ایسے مرحلے آتے ہیں جب اسے اپنی زندگی کی عزیز ترین خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں۔ وہ کسی کے پسینے کے بد لے خون تک گرانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ لیکن اسے فرنص مجبور کرتا ہے تو وہ اس کے آنسوؤں کی بھی پرانیں کرتا اور میدان جنگ میں چلا جاتا ہے۔ آپ ایک عالیشان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں بہنیں الیسی ہیں جنہیں اس کھلے آسمان کے نیچے سرچھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔ اس وقت میری توجہ کی زیادہ حق داروہ ہیں۔ اسلام کی بدنصیب بیٹیاں، اپنی عراق، عرب اور مصر کے

پر امن شہروں میں رہنے والی بہنوں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمہارے بھائی،
شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ رکو!

صفیہ نے اپنے آنسو پوچھتے ہوئے کیا۔ مجھے معاف کیجیے۔ جائیں خدا آپ
کی مدد کرے۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ میں ایک عورت ہوں۔ جائیں۔۔۔!
وہ دروازے تک اس کے ساتھ آئی۔ سعید کے اشارے سے پہرے دار نے
دروازہ کھول دیا۔ ظاہرنے ایک بارہ کراں کی طرف دیکھا۔ اسکے چہرے پر
بشتاشت اور ہونتوں پر مسکراہٹ تھی۔ آنسوؤں میں دھلی ہوئی حسین اور مقدس
مسکراہٹ جو بیک وقت روح پرور بھی تھی اور حوصلہ لشکن بھی!
آپ مجھ سے خفاؤ نہیں؟ ظاہرنے جھمکتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں۔ اس نے میٹھی آواز میں کہا۔ آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟
کبھی نہیں ظاہرنے جواب دیا۔

ظاہرتیزی سے قدم اٹھاتا ہوا بہرنکا اور صفیہ دروازے میں کھڑی ہو کر اسے
دیکھنے لگی۔ وہ سیر ہیوں سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک دائیں اور بائیں ہاتھ سے
سپاہیوں کی دوڑلیاں نمودار ہوئیں۔ ظاہر توارزنکانے سے پیشتر پندرہ بیس آدمیوں کی
گرفت میں آچکا تھا۔

صفیہ نے جلدی سے کہا۔ سعید تم بھاگ جاؤ!

سعید اور دو پہرے دار پوری رفتار سے محل کے ایک کونے کی طرف بھاگے۔
صفیہ نے دروازے سے نکلی لیکن قاسم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا۔
صفیہ! تم نے آج بہت بڑا کام کیا۔ چلواب آرام کرو۔ اور وہ اس کی ہنسنی گرفت میں
بے بس ہو کر ساتھ چل دی۔ چند قدم چلنے کے بعد قاسم نے رُک کر سپاہیوں کو آواز

دی۔ سعید شاید بھاگ گیا ہے۔ اسی بھی گرفتار کرلو۔

محل کے اندر پہنچ کر قاسم نے صفیہ کو اس کے کمرے کے اندر دھکیل دیا اور باہر سے گندھی لگادی۔

واپس آ کر مہلب کے اصرار پر قاسم نے طاہر کو اس کے سپرد کر دیا۔ سعید دوسرا پیروے دار محل کا کونہ کونہ چھان مارنے کے باوجود بھی نہ ملے۔ بالآخر ایک سپاہی نے خبر دی کہ محل کی ایک کشتی غائب ہے۔ اس وقت تک وہ دوسرے کنارے پہنچ چکے ہوں گے۔

آٹھی رات کے بعد جب مہلب، طاہر کو قید خانے کے داروغہ کے سپرد کر کے ہدایات دے رہا تھا۔ سعید اور اس کا ساتھی عبد الملک اور عبد العزیز کو اپنی سرگزشت سوار ہے تھے۔

(۶)

طاہر بن یوسف دریائے دجلہ کے کنارے بڑے قید خانے کی ایک زمین دوز کوٹھری میں بند تھا۔ صبح ہو چکی تھی لیکن قید خانے میں ابھی تک تاریکی تھی۔ دو پیروے دار آئے اور اس سے سوتا دیکھ کر کھانا رکھ کر چلے گئے۔ ایک دو مرتبہ طاہر کی آنکھ کھلی لیکن کمرے میں تاریکی پا کروہ پھر کروٹ بدل کر سو گیا۔ بالآخر اس نے محسوس کیا کہ اسے کوئی جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے۔

کون؟ اس نے انگڑائی لیتے ہوئے سوال کیا۔

آہستہ بولو!

طاہر نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور تاریکی میں غور سے دیکھنے کے بعد اپنے قریب ایک اور آدمی کو پا کر اٹھ بیٹھا۔

اجنبی نے کہا۔ جب سے یہ قید خانہ بنتا ہے، شاید اتنی دیریوں نے والا یہاں کوئی نہیں آیا۔ اب تو دوپھر ہونے والی ہے۔

طاہر نے جواب دیا۔ میں کئی راتوں سے اطمینان کی نیند نہیں سویا۔

تو اطمینان رکھو، یا تم باقی عمر مزے کی نیند سو سکو گے۔

تم کون ہو؟

میں کبھی کوئی تھا لیکن اب تو میں ایک قیدی ہوں۔

رات جب مجھے یہاں لاایا گیا تھا تو میرے خیال میں یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

شاید تمہیں ابھی ابھی یہاں پہنچایا گیا ہے۔

نہیں۔ میں کئی مہینے سے شاہی مہماں ہوں۔ میری اور آپ کی کوٹھڑی کے درمیان ایک دیوار کا پردہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ زمین دوز کمرے بہت کشادہ تھے لیکن بعد میں قیدیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ان کے درمیان دیوار میں کھڑی کر کے انہیں دو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

تو آپ کس راستے سے یہاں پہنچے؟

اجنبی نے جواب دیا۔ آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ شروع شروع میں یہاں دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ میرا بازو پکڑ لو گھبراو نہیں۔ چند دن کے بعد تمہیں بھی میری طرح تاریکی میں دیکھنے کی عادت ہو جائے گی۔

طاہر نے اجنبی کے ساتھ ایک تنگ محراب سے گزرتے ہوئے کہا۔ یہ راستہ تو بہت کشادہ ہے۔

اجنبی نے جواب دیا۔ نہیں ابھی تک آپ نے اپنی کوٹھڑی کا جائزہ نہیں لیا۔ یہ دروازہ اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ میری کوٹھڑی بھی اس طرح کی ہے!

چند قدم اور چلنے کے بعد اجنبی نے جھک کر زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھو، یہ سوراخ میری کمرے میں جاتا ہے۔ یہاں سے گزرنے کے لیے مشق کی ضرورت ہے۔ تم شاید نہ گزرسکو۔ تم ذرا موٹے ہو لیکن تم بھی بہت جلد میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ جب میں یہاں آیا تھا میں بھی کافی موٹا تھا۔ قریباً ایک ماہ کے بعد یہاں کی نبی کی وجہ سے ہلکا ہلکا بخار شروع ہو جاتا ہے اور بھوک مر جاتی ہے۔

یہ راستہ تم نے کیسے دریافت کیا؟

جب میں یہاں لا یا گیا تھا تو اس کمرے میں ایک شخص کبھی کبھی دیوار سے نکریں مارا کرتا تھا۔ دو تین دن میں کوئی توجہ نہ دی لیکن ایک دن میں نے اس کے جواب میں دیوار کو کھٹکھٹنا شروع کر دیا تو تھوڑی دیر کے بعد کسی نے میرے کمرے میں دیوار کے قریب سل اور پٹھانی اور سر باہر نکال کر کہا۔ السلام علیکم! میں اس قدر ڈر اکہ اگر باہر نکلنے کا راستہ ہوتا تو میں شاید دریافت میں بھی چھلانگ لگانے سے دریغ نہ کرتا۔ وہ بولا۔ ڈروہیں۔ میں تمہارا پڑو سی ہوں۔ تھوڑی دیر غور سے دیکھنے کے بعد میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ قاضی لؤ داؤ دھا جس نے ایک مقدمے میں سابق وزیر اعظم کی مرضی کے مطابق فیصلہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ راستہ انہوں نے میرے یہاں آنے سے بہت مدت پہلے کھودا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بے کاری سے اُکتا کر میں نے اس دیوار کے قریب فرش کی دو ملیں اکھاڑ ڈالیں اور فرش کی نم دار مٹی کو ایک ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹھیکرے کے ساتھ کھودنا شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ چند دنوں میں انہوں نے یہ سوراخ نکال لیا تھا لیکن اس کمرے میں کسی کونہ پا کر انہیں بہت افسوس ہوا۔ پہلی ملاقات کے بعد ہی مجھے انہوں نے اپنا گرویدہ بنالیا لیکن وہ ڈریڈھ ماہ کے بعد چل لے۔ پہریدار یہاں صبح و شام صرف دو

بار آتے ہیں۔ اس کے بعد سارا دن اور ساری رات ہم ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔ صرف جمعہ کے دن وہ صفائی کے لیے آتے ہیں اس دن آپ سوراخ پر یہ ملیں رکھ دیا کریں اور بہتر ہو گا کہ اپنا بچھونا بھی نہیں ڈال دیا کریں۔ قید تو یقناً میری طرح آپ کو بھی لامنا ہی ہو گی۔ مجھے معلوم ہے کہ قید خانے کے اس حصے میں صرف وہی لوگ تھیجے جاتے ہیں جن کا کوئی جرم نہیں ہوتا لیکن تم تو نوجوان ہو۔ میں جیران ہوں کہ حکومت نے تمہیں اتنی اہمیت کیوں دی ہے؟ میں نے شاید تمہیں کہیں دیکھا ہے! چلو دوسری طرف چلیں۔ اُدھرتاریکی ذرا کم ہے۔

ظاہر! جنہی کے ساتھ پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔

جنہی نے کہا۔ تم کھانا کھالو۔

ظاہر نے جواب دیا۔ مجھے بھوک نہیں۔

جنہی نے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں آ کر پہلے دن کوئی قیدی کھانا نہیں کھاتا۔ میں نے بھی دو دن نہیں کھایا تھا لیکن آہستہ آہستہ غادی ہو جاتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تم یہاں کیونکر پہنچ، میں تمہارے اور کسی کام نہیں آ ستا۔ لیکن اپنی اپنی سرگزشت سنا کر ہم ایک دوسرے کا بوجھ بڑھا کر سکتے ہیں۔ مجھے شک پڑتا ہے کہ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ضرور ہے یہاں آ کر حافظے پر بہت برا پڑتا ہے۔

میرا نام ظاہر بن یوسف ہے۔

ظاہر بن یوسف؟ میں نے یہاں بھی سنائے۔ تم فوج میں تھے؟
نہیں۔

تو پھر کس محکمے میں تھے؟

کسی میں نہیں۔ میں بغداد میں ایک بہت بلند مقصد لے کر آیا تھا۔

تو پھر تھیک ہے۔ یہ کوٹھریاں صرف بغداد میں باند مقاصد لے کر آنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ خلیفہ اور سلطنت کے عہدے داروں کا عتاب صرف ان لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا خوش ہو۔ اچھا، اب مجھے شروع سے اپنی سرگزشت سناؤ! طاہر نے بغداد میں اپنی آمد اور قاسم کے ساتھ تیغ آزمائی کے واقعات سے اپنی سرگزشت شروع کی۔

اجنبی نے اسے ٹوکتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے یاد آیا۔ تم وہی نوجوان ہو۔ ارے میں نے اس دن دُنامانگی تھی کہ خدا تمہیں نظر بد سے بچائے۔ اچھا آگے سناؤ! طاہر نے خوارزم کے سفیر کے ساتھ ملاقات کا ذکر کیا تو وہ چونک اٹھا۔ میری طرف دیکھو۔ میں ہوں وحید الدین!

آپ؟ طاہر نے اچانک سوال کیا۔

ہاں! میں وہی بد نصیب ہوں۔ مجھے یہاں سے رہائی کی امید نہیں اور آپ کو اپنی معصومیت کا یقین دلا کر میں آپ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا لیکن چونکہ ہم ساتھی ہیں۔ اس لیے آپ کی تسکین کے لیے خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ میں نے چنگیز خان کے پاس کوئی ایلچی نہیں بھیجا تھا!

طاہر نے کہا۔ مجھے آپ پر یقین ہے۔ اگر آپ پروہ کوئی جرم ثابت کر سکتے تو کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کو کب اور کیسے اس قید خانے میں بھیجا گیا؟

آپ پہلے اپنی سرگزشت ختم کریں۔ پھر میں آپ کو آپ کے تمام سوالات کا جواب دوں گا۔ طاہر نے آخر تک اپنی سرگزشت سنائی۔ وحید الدین کچھ دیر گہری سوچ میناس کی طرف دیکھتا رہ۔ بالآخر وہ بولا۔ اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا

ہوں۔ آپ کی سرگزشت سننے کے بعد میرا یہ شک یقین کی حد تک پہنچ چکا ہے کہ میں مہلب بن داؤد کی سازش کا شکار ہوا ہوں۔ یہ شخص بغداد میں چنگیز خان کے سفیر کا ملازم تھا۔ شہزادہ مستنصر کی سفارش پر میں نے اسے اپنے دفتر میں رکھ لیا۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے۔ میں اب بھی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ بہت ہوشیار ہے۔ شہزادہ مستنصر کی بدولت اس نے خلیفہ تک رسائی حاصل کر لی اور میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میں برائے نام وزیر خارجہ ہوں، ورنہ وہ سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ اگر میرے دن اچھے ہوتے تو میں پہاڑی مستعفی ہو جاتا لیکن میرے مقدار میں یہ ذلت تھی۔ میں نے ایک دفعہ اُسے مستعفی ہونے کے لیے کہا لیکن اس نے خلیفہ کے پاس شکایت کی۔ خلیفہ نے مجھے ڈالنا۔ اس کے بعد میں نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ چنگیز خان کے عروج کی داستان میں مشہور ہوئیں تو اس نے مجھے مشورہ دیا کہ اس کیسا تھا دوستانہ معاملہ کر کے خوارزم کے خلاف متعدد محاذ بنایا جائے۔ میں نے اس کی تجویز کی مخالفت کی اور وہ پچپ رہا۔ میں نے وزیراعظم سے کئی بار شکایت کی کہ یہ شخص خطرناک ہے لیکن اس نے اس بات کی پرواہ کی۔ ایک دن مجھے خلیفہ نے بلا کریہ حکم دیا کہ میں چنگیز خان کے نام دوستی کا پیغام بھیجنوں۔ لیکن میں نے یہ عذر پیش کیا کہ موجودہ صورت میں ہمارے کسی ایچی کو خوارزم کی حدود عبور کر کے قراقرم پہنچانا ممکن نہیں۔ اگر وہ راستے میں پکڑا گیا تو دربار خلافت کی بد نامی ہوگی۔ خافیہ نے میرا اعتراض سن کر کوئی زور نہ دیا لیکن چند دن بعد مہلب نے بتایا کہ آج وزیراعظم نے خلیفہ کو ایک خط پیش کیا ہے جو حکومت خوارزم نے حکومت بغداد کے ایک ایچی کی تلاشی لینے کے بعد برآمد کر کے بغداد میں اپنے سفیر کو بھج دیا ہے۔ اس نے مجھے یہ بتایا کہ اس خط پر میرے دستخط ہیں۔ اس لیے مجھ

سے باز پرس ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ میں روپوش ہو جاؤں لیکن میں نے اس کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ چونکہ میں نے ایسا خط نہیں لکھا، اس لیے مجھے باز پرس کا ڈر نہیں۔ میں ابھی خوارزم کے سنیر، وزیر اعظم اور خلینہ کے سامنے یہ معاملہ صاف کرتا ہوں لیکن جب میں مکان سے باہر نکلا تو آٹھ دس سپاہی اور کوتواں دروازے پر کھڑے تھے۔ مہلب کے اشارے پر مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ اب مجھے یقین ہے کہ مہلب نے میری جعلی دستخطوں سے یہ خط بھجوایا تھا اور خلینہ کا میرے بعد اسے وزیر خارجہ کا عہدہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب کچھ خلینہ کے حکم سے ہوا۔ وہ بدنامی کے خوف سے مجھ پر مقدمہ چلانے سے ڈرتے تھے اور خوارزم کے سنیر کو تسلی دینے کے لیے انہوں نے مجھے یہاں بھیج کر مشہور کر دیا ہو گا کہ مجرم کہیں روپوش ہو گیا ہے۔

”تو آپ کے خیال میں وزیر اعظم اس سازش میں شریک نہ تھا؟“
نہیں۔ اگر وہ اس سازش میں شریک ہوتا تو میرے ساتھ مہلب کو بھی یہاں ہونا چاہیے تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میری گرفتاری کا بھی اس کو علم نہیں۔ ورنہ وہ میرے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ وہ پر لے درجے کا جی حضوری ہے لیکن اسے تاتاریوں سے انفرت ہے اور وہ خوارزم کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کا حامی تھا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری صرف اپنے نالائق بیٹھے سے محبت ہے۔

ظاہر نے کہا۔ لیکن خلینہ نے چنگیز خان کو پیغام بھیجنے کے لیے آپ کا نام استعمال کیوں کیا؟ وہ آسانی سے آپ کو نکال کر مہلب یا کسی اور آرمی کو آلہ کا ربانا سنتا تھا۔

یہ اس لیے کہ اپنی کے پکڑنے جانے کی صورت میں کسی ایسے شخص پر حرف
آئے جس کی خدمات کے خلینہ آئندہ کے لیے ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میرے
متعلق خلینہ کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ میں ایسے معاملے میں رازداری سے کام نہ لوں گا:

-

تیسرا حصہ۔۔۔ آگ اور خون

علاوہ الدین محمد خوارزم شاہ نے پہلی شکست کے بعد شمال مغرب کا رخ کیا اور سیکھوں کے کنارے پر پڑا ڈال کر جنوب کے شہروں سے افواج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ قو قند کی فتح کے بعد چنگیز خان نے دریائے سیکھوں کے ساتھ ساتھ شمال مغرب کا رخ کرنے کی بجائے اپنی افواج کا بڑا حصہ جنوب کی طرف منتقل کر دیا اور اس محاذ سے خوارزم شاہ کی توجہ ہٹانے کے لیے اپنے دو بیٹوں کو شمال میں اترار کی طرف روانہ کر دیا۔ خوارزم شاہ اپنے خیال کے مطابق چنگیز خان کے بیٹوں کو دریائے سیکھوں کے کنارے ایک فیصلہ کن شکست دینے کے لیے زبردست تیاریاں کر دیا تھا لیکن اچانک اسے یہ خبر ملی کہ چنگیز خان کی فوج جنوب مشرق سے دریائے سیکھوں کے ساتھ ساتھ سر قند اور بخارا کا رخ کر رہی ہے۔ محمد شاہ کو ایک طرف اپنی سلطنت کے دو مضبوط ترین قلعوں کے چھن جانے کا خدشہ پیدا ہوا اور دوسرا یہ فکر دامن گیر ہوتی کہ اگر تاتاری ان دو شہروں پر قابض ہو گئے تو وہ دریائے سیکھوں کے کنارے جھیل ارال تک اس کے باقی تمام مورچوں پر آسانی سے قابض ہو جائیں گے اور جنوب میں اس کی رسدوں کے تمام راستے کٹ جائیں گے۔

محمد شاہ نے اس موقع پر یہ بھی اپنے کہنہ مشق فوجی سرداروں کا مشورہ قبول نہ کیا اور کسی ایک میدان میں اپنی قوت کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے اپنی فوج کا بیشتر حصہ مختلف شہروں کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ چالیس ہزار سپاہیوں کو دریا سیکھوں کے شہروں کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اس نے بخارا کا رخ کیا اور تیس ہزار سپاہیوں وہاں معین کر کے باقی فوج کے ساتھ سر قند جا پہنچا۔

اس دوران میں شمال میں چنگیز خان کا ایک بیٹا دریائے سیکھوں عبور کر کے اترار

پر حملہ کر چکا تھا۔ شہر کا گورنر آخری دم تک لڑتا رہا اور جب تاتاری قلعے کے دروازے توڑ کر اس کی بچی کچھی فوج تدفعہ کر چکے تھے تو بھی وہ تنہا ایک برج پر چڑھ کر تیر بر سا رہا تھا۔ تیر ختم ہو گئے تو وہ ایٹھیں بر ساتارہا۔

اسے زندہ گرفتار کر کے چنگیز خان کے پاس بھیجا گیا۔ چنگیز خان نے اس کے کانوں اور آنکھوں میں پکھلی ہوئی چاندی ڈلوا کر ہلاک کر ڈالا۔

چنگیز خان کے دوسرے بیٹے نے تاشقند پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد تاتاری افواج نے مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر دریائے سیخوں کے کنارے اور کئی چھوٹے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

چنگیز خان اپنے بیٹے تو لامی کے ہمراہ راستے کی بستیوں اور شہروں کو خون اور آگ کا پیغام دیتا ہوا بخارا کی طرف بڑھا۔ خوارزم شاہ کو سمرقند میں اس کی پیش قدمی کی اطاعت ملی۔ فوج کے سرداروں کی اس مرتبہ بھی یہی راستہ تھی کہ چنگیز خان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے لیکن خوارزم شاہ نے بخارا کی فصیل کو ناقابل تغیر سمجھ کر اس مرتبہ بھی ان کی رائے ٹھکرایدی اور شہر کی حفاظت کے لیے مزید سپاہی بھیج دینے اور جنوب کے شہروں کی افواج کو سمرقند بھینے کا حکم دیا۔ خوارزم شاہ کو یہ توقع تھی کہ بخارا کی تغیر میں تاتاریوں کو کئی مہینے لگ جائیں گے اور اس دوران میں وہ سلطنت میں اپنی افواج کا بکھرا ہوا شیرازہ منظم کر سکے گا۔

چنگیز خان نے چند دن کے محاصرے کے بعد محسوس کیا کہ شہر کو فتح کرنا آسان نہیں۔ گزشتہ فتوحات میں وہ اسلامی سازی کے بہت سے ماہرین کو گرفتار کر چکا تھا اور ان میں سے بعض اس کی ملازمت اختیار کر چکے تھے۔ ایک شخص کے مشورے پر چنگیز خان نے فوج کو شہر پر آگ لگانے والے تیر پھینکنے کا حکم دیا۔ اُتھیں تیروں سے

شہر کے ایک محلے میں آگ لگ گئی اور اس سے تمام آبادی میں سراسیمگی پھیل گئی۔

ترک افواج نے مجبوراً شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن انھیں شکست ہوئی اور تاتاریوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر کر تھے کرڈا۔

فوج کی مدد سے محروم ہو جانے کے بعد اکابرین شہر نے چنگیز خان کے پاس صلح کے لیے ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ شہر کی ایک ہر دل عزیز شخصیت امام زادہ رکن الدین اس فیصلے کے حق میں نہ تھا۔ اس نے معززین شہر کے سامنے پر جوش تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم کم از کم چھ ماہ تک شہر کی حفاظت کر سکتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ حالات میں سرقند کی افواج یہاں پہنچ جائیں گی۔ اس وقت چنگیز خان شہر کے دروازے کھلوانے کے لیے ہماری ہر شرط منظور کر لے گا لیکن تاتاریوں کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ کسی معاهدے کے پابند رہ سکتے ہیں، خود فربی ہے۔ جب تاتاریوں کی افواج شہر میں داخل ہوں گی تو وہ تمہارے ساتھو ہی سلوک کریں گی جو انہوں نے اترار اور تاشقند والوں کے ساتھ کیا ہے۔“

لیکن امام زادہ رکن الدین کی آواز صدا بصرح اثابت ہوئی۔ اکابرین شہر کے وفد نے چنگیز خان سے ملاقات کے بعد اہل شہر کو یہ خوش خبری سنائی کہ تمہاری جانیں، تمہاری جانداریں اور تمہاری عزت محفوظ ہے۔ شہر کا نیا حاکم بھی مسلمان ہو گا۔ شہر کے دروازے کھل گئے۔

(۲)

رکن الدین نے درست کہا تھا۔ اہل بخارا و حشت اور بربریت کا طوفان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے وہ درس گا ہیں جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ تاتاریوں کے گھوڑوں کے لیے اصطبل کا کام دے رہی تھیں۔ چنگیز خان بخارا کی عظیم الشان مسجد

کی سیر ہمیوں کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے اترا:

”یہ تمہارے بادشاہ کا گھر ہے؟“ اس نے ایک شخص سے سوال کیا۔ ”نہیں یہ خدا کا گھر ہے۔“

پنگیز خان مسجد کے اندر داخل ہوا اور اس نے حاضرین کو منا طب کرتے ہوئے کہا۔ ”میری افواج تھیک ہوئی ہیں، انھیں خوراک اور آرام کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے اپنے اپنے گھروں کے دروازے کھول دو اور اس قسم کے کشادہ عمارتیں میرے گھوڑوں کے لیے خالی کر دو اور ان کے لیے چارہ مہیا کرو۔ یا درکھو، تم خدا کے قبر سے ڈرتے ہو اور میں تمہارے لیے خدا کا قبر بن کر آیا ہوں۔“

پنگیز خان نے ایک مترجم کو اپنا منہوم بیان کرنے کے لیے کہا اور مسجد سے باہر نکل آیا۔ یہ تمہید تھی۔ اس کے بعد اہل بخارا نے جو کچھ دیکھا، وہ ان کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ رات کے وقت مردوں کو اپنے گھروں میں گھسنے کی اجازت نہ تھی۔ اور وہ گلیوں، چوراہوں اور سڑکوں پر کھڑے اپنے مکانوں کے اندر رتا تاریوں کے وحشیانہ تعقیبے اور عورتوں کی جگر دوز چیزیں سن رہے تھے۔ اگر کسی کی غیرت جوش مارتی اور وہ اپنے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتا تو تاتاری پہرے داروں کی تلواریں اسے خاک و خون میں اٹھاد دیتیں۔

امراء کے محاذ پر تاتاریوں کا پہراہ اس سے کہیں زیادہ سخت تھا۔ انھیں طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ان کے خفیہ خزانوں کا پتہ لگایا جاتا اور جب وہ ایک خزانے کا پتہ دیتے، انہیں یہ کہا جاتا کہ تم نے اور بھی بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔ وہ سب کچھ دے بیٹھتے لیکن تاتاری مرتے دم تک ان کا پیچھا نہ چھوڑتے۔ بخارا کے باشندوں کے ہاتھ میں بیٹھے دے کر امراء کے مکانات کی بنیادیں کھدوائی گئیں اور

جب تاتاریوں کو یقین ہو گیا کہ اب بخارا میں کوئی کار آمد چیز باقی نہیں رہی تو شہر کے تمام باشندوں کو ہانک کرایک کھلے میدان میں لے آئے۔

اب کسی کو غلط نہیں نہ تھی کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ہر طرف عورتوں اور بچوں کی جگر دوز چینیں سنائی دے رہی تھی، مردوں کی ہانکھوں میں آنسو تھے۔ چینتی چلاتی عورتیں زبردستی کھینچ کھینچ کر مردوں سے علیحدہ کی گئیں۔ یکس نگاہ ہیں آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ان کی آزادی چھن پکی تھی اور شہر میں ان کے مکانات میں آگ کے شعلے باندہ ہو رہے تھے اور اب ان کی عورتیں بھی ان سے چھینی جا رہی تھیں۔

وہ پرده نشیں چھینیں آج تک چشم نلک نے بھی نہیں دیکھا تھا، تاتاری ان کے بچوں اور ان کے شوہروں کے سامنے ان کی عصمت دری کر رہے تھے۔ مردوں کے سامنے تاتاری سواروں کے نیزوں کی دیوار کھڑی تھی اور ان کے ہتھیار چھینے جا چکے تھے۔

امام زادہ رکن الدین چلایا۔ ”بز دلو! کیا دیکھتے ہو! چاروں طرف سے اللہ اکبر کی صدا باندہ ہوئی اور اہل بخارا تاتاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ خالی ہانکھوں سے تواروں کا مقابلہ شروع ہوا۔ لیکن چند لمحات میں کئی آدمی تاتاریوں سے سمجھتم گھاہو کران کے نیزے، تواریں اور خنجر چھین چکے تھے۔ عورتوں کی عصمت دری کرنے والوں میں سے اکثر کوتواریں سنبھالنے اور گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع نہ ملا۔ لیکن تاتاریوں کی بیشتر فوج گھوڑوں پر چوکس تھی۔ انھوں نے چند حملوں میں لاشوں کے انبار لگا دیئے، تاہم دو ہزار تاتاریوں مارے گئے۔ تاتاریوں نے غصب ناک ہو کر چند گھنٹوں کے قتل عام کے بعد میدان صاف کر دیا۔ صرف چند عورتیں بچیں۔ ان کے ہانکھوں میں رسیاں باندھ کر گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ مسلک کی گیا اور تاتاریوں

نے سر قند کی طرف کوچ کر دیا۔

گھوڑوں کے ساتھ بندھی عورتیں زیادہ دور تک ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکیں۔ جب قیدی عورتیں دم توڑ کر گر پڑتیں، تاتاری سوار خنجر کے ساتھ ان کی رسیاں کاٹ دیتے۔

چنگیز خان کو بخارا کی فتح کی خوشی سے زیادہ اپنے دو ہزار آدمیوں کی موت کا افسوس تھا۔

(۳)

سر قند دفائی انتظامات کے لحاظ سے خوارزم شاہ کا مضبوط ترین شہر تھا۔ شہر کی حفاظت کے لیے ایک لاکھ دس ہزار سپاہی موجود تھے لیکن بخارا کی فتح کی غیر متوقع خبر سے سلطان کی رہی سہی خود اعتمادی رہی اور وہ چند سرداروں کو شہر کی قیادت سونپ کر بلنخ کی طرف نکل گیا۔ فوج کو تن دو بڑی شخصیتوں سے صحیح رہنمائی کی توقع تھی، وہ سر قند میں موجود تھیں۔ سلطان کا نوجوان بیٹا جیسے شیر خوارزم کہا جاتا تھا، سلطنت کے شمال مغرب علاقوں میں افواج تیار کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بھیج کر اپنے ضدی باپ سے سر قند آنے کی اجازت مانگی لیکن سلطان کی طرف سے یہ جواب ملا۔ ”تم ممحوظ زیادہ تحریک کا نہیں ہو۔ جب ضرورت ہو گی تمہیں بنا لیا جائے گا۔“

دوسرہ تیمور ملک تھا جس نے قوتوں کے معروفوں میں سارے ترکستان کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اس کے متعلق سر قند کے ہر بچے اور بوڑھے کی رائے یہ تھی۔ کہ وہ ایک لاکھ دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں کو میدان میں شکست دے سکتا ہے لیکن سلطان نے سر قند پہنچتے ہی اسے بلنخ کے آس پاس جنگ جو قبائل کو منظم کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔

جب خوارزم شاہ بھی سر قند سے نکل گیا تو تمام لشکر میں مایوسی پھیل گئی۔ اتنا بک ملک اور سردار ذلتی رقبتوں کے باعث پہلے ہی مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے کوئی با اثر شخصیت سر پر نہ ہونے کی وجہ سے یہ اختلاف اور بڑھ گیا۔

محاصرے کے دوران میں چنگیز خان کے پیشے جو دریائے سیخوں کے کنارے بہت سے شہر فتح کر چکے تھے۔ قیدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ اپنے باپ سے آمے۔ سر قند کی فصیل بہت مضبوط تھی۔ بارہ ہسپنی دروازے جن کی حفاظت کے لیے بر جوں پر تیر اندازوں کا پیرہ تھا، ناقابل ت Nguyen تھی تھے۔

چنگیز خان نے قیدیوں کو فصیل کے ارد گرد مورچے کھونے کے کام پر لگا دیا اور طویل محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شہر کی محافظ فوج کو یہ احساس ہونے لگا کہ ایک دو ماہ تک تاتاری آس پاس کے علاقے میں اس قدر مضبوطی سے پاؤں جمالیں گے کہ باہر سے کوئی کمک اہل شہر کی مدد کے لیے بھی بھی گئی تو اس کے لیے شہر تک پہنچانا ممکن ہو گا۔ مورچے تعمیر کرنے کے لیے تاتاری آس پاس کی بستیوں سے قیدیوں کی نئی نئی ٹولیاں لارہے تھے۔

ان حالات کے پیش نظر فوج کے سرداروں نے شہر سے باہر نکل کر اڑنے کا فیصلہ کیا۔ ترک نہایت بہادری سے اڑ رہے لیکن عین اس وقت جب کہ تاتاریوں کے پاؤں اکھڑ رہے تھے، چند سردار جنہوں نے پہلے ہی چنگیز خان کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ تیس ہزار فوج کے ساتھ اس سے جا ملے۔ فتح کے بعد چنگیز خان نے پہلے دن ان کی آؤ بھگت کی۔ انھیں پہننے کے لیے تاتاری سپاہیوں کا لباس دیا لیکن شہر میں قتل عام سے فارغ ہو کر ان تمیں ہزار غداروں کو ان کے سرداروں سمیت رات کے وقت نیند کی حالت میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنگیز خان دشمن کے غداروں

سے کام لینے کا قائل تھا۔ لیکن انھیں زندہ رکھنے کا قائل نہ تھا۔

سرقتدر کی فتح کے بعد چنگیز خان نے اپنے بہترین سواروں کو خوارزم شاہ کے تعاقب میں بھیج دیا۔ چنگیز خان کا خیال تھا کہ اگر خوارزم شاہ کو مہلت ملی تو وہ چند دنوں میں ایک اور لشکر تیار کر لے گا۔ اس لیے اس نے تعاقب کرنے والی افواج کے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ ہر قیمت پر خوارزم شاہ کا سراغ لگائیں اور جس شہر میں وہ موجود ہو، اس کا محاصرہ کر لیں۔ باقی شہروں اور بستیوں سے کتنا اکر گزرتے جائیں۔

خوارزم شاہ کو بھی یہ پتہ چل گیا کہ تاتاری اب اس کی سلطنت کے شہروں کو فتح کرنے کا رادہ ملتی کر کے اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔

خوارزم شاہ مختلف شہروں سے گزرتا ہوا نیشاپور پہنچا۔ تاتاری راستے کے شہروں کو چھوڑتے ہوئے وہاں تک جا پہنچ تو خوارزم شاہ نے ہمدان کا رخ کیا لیکن تاتاری سائے کی طرح اس کے پیچے تھے۔ ایک مقام پر انہوں نے اسے آلیا اور خوارزم شاہ کے ساتھیوں میں سے چند ساتھیوں میں سے چند ایک کے سواباتی تمام تفعیل کر دیے گئے۔ خوارزم شاہ خود تیروں سے زخمی ہو کر بھاگا۔ اب دنیا میں اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اپنی جان بچانا تھا۔ اس کے ساتھی اس سے تنگ آچکے تھے۔

اس نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر بھیرہ خزر سے کنارے ڈیرہ ڈال دیا اور تمام قبائل کے سرداروں کی طرف ہر کارے دوڑا دیئے لیکن اس کی مدد کے لیے کوئی نہ پہنچا۔

خوارزم شاہ کو اب دنیا میں کسی پر اعتماد نہ تھا۔ تاتاریوں کی طرح اسے اپنے سپاہیوں سے بھی ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا۔ وہ اپنے لیے کئی خیے نصب کرواتا لیکن ایک دو غامم کے سوا کسی کو یہ خبر نہ ہوتی کہ وہ آج رات کہاں سویا ہے۔ ایک رات وہ اپنے کشادہ خیے سے نکل کر ایک چھوٹے سے خیے میں جا کر سو گیا۔ صبح کے وقت دوسرا خیمہ تیروں سے چھلنی تھا۔

ایک شام وہ سمندر کے کنارے کھڑا تھا کہ اسے فاصلے پر گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ اسے شک گز را کہ تاتاری آرہے ہیں لیکن ایک سپاہی نے آکر خبر دی کہ یہ مسلمانوں کی فوج ہے۔ لشکر قریب آ کر رک گیا۔ وہ صرف پانچ ہزار سپاہی تھے۔ خوارزم شاہ کو مایوسی ہوتی۔ ایک سوار آگے بڑھا اور خوارزم شاہ کو دور سے پہچان کر گھوڑا بھنگا تاہو اس کے قریب آگیا۔
یہ جلال الدین تھا۔

ایک لمحے کے لیے باپ اور بیٹا ایک دوسرے کی طرف دیکھتے، خوارزم شاہ نے کہا۔ جلال! گھوڑے سے نہیں اترو گے؟
”نہیں، مجھے بہت دور جانا ہے۔ میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں بلا�ا ہے؟“

تو تم میری مدد کے لیے نہیں آئے؟
اس ویران جگہ پر آپ کو کیا خطرہ ہے۔ میں موت کی تلاش میں جا رہا ہوں۔
موت سے بھاگنے والوں کی کیا مدد کر ستا ہوں؟
خوارزم شاہ نے آگے بڑھ کر جلال الدین کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے

کہا۔ نہیں نہیں نہیں، میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ زمین میرے لیے تنگ ہو چکی
ہے۔ تم میرا آخری سہارا ہو۔ چلو میں تمہیں اپنا خیمه دکھاتا ہوں، وہ تیروں سے پٹا پڑا
ہے۔ آج ساری دنیا میری دشمن ہے۔ کیا میرا بیٹا بھی میرا ساتھ نہیں دے گا؟
جلال الدین نے جواب دیا۔ ”کاش آپ نے دنیا کے ساتھ کوئی بھلانی کی
ہوتی۔ آپ کی وجہ سے ملک کو ایک حصتی اور حقیر دشمن کی غلامی نصیب ہوئی۔ آپ
نے صرف اپنی جان کے خوف سے سارا ملک بھیڑیوں کے سپرد کر دیا۔ قوم آپ کی
تلطیوں کا خیازہ بھگلت رہی ہے۔ مسلمان آپ کی وجہ سے تاتاریوں کے ہاتھوں اپنی
بہوبیثیوں کی بے حرمتی دیکھ رہے ہیں۔ آپ آج انھیں یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ وہ آکر
آپ کے خیے پر پہرا دیں، لیکن کس منہ سے؟“

”جلال! جلال!! میں تمہارا باپ ہوں!“

”کاش! میں آپ کے گھر پیدا ہونے کی بجائے ایک غریب لیکن بہادر آدمی
کے گھر پیدا ہوتا!“

”جلال! میرا دل نہ دکھاؤ“

”کاش! آپ کے پہلو میں دل ہوتا لیکن قدرت نے وہاں گوشت کا ایک
بے جان لوٹھرا کر کھایا ہے۔“

”آخر ان باتوں سے تمہارا مطلب کیا ہے؟“

”کچھ نہیں، آپ کے ساتھ میری آخری ملاقات ہے اور میں آپ کے پاس یہ
درخواست لے کر آیا ہوں کہ خزانہ میرے حوالے کر دیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ بخارا
اور سمرقند کے خزانوں کی طرح وہ بھی تاتاریوں کے قبضے میں نہ آ جائے۔ مجھے تازہ
افواج تیار کرنے کے لیے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے۔“

تو تمہارا خیال ہے کہ تم تاتاریوں کے ساتھ اڑ سکتے ہو؟

”میرا شروع سے یہ خیال تھا لیکن آپ نے میرا راستہ رو کے رکھا!“

”جلال! تاتاریوں کے ساتھ اڑ نے کا خیال ایک جنون ہے اور میں اس مصیبত میں اپنی رہی کہی پونچی سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔ خدا کے لیے میرا ساتھ دو۔ مجھے اپنی جان سے زیادہ تمہاری جان عزیز ہے۔ اس آسمان کے نیچے ایسی جگہ ہیں ہیں جہاں ہم آرام سے باقی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم مصر چلے جائیں گے۔ اندر چلے جائیں گے۔“

”میں بزدلوں کی زندگی بسر کرنے والوں کا ساتھ دینے کی بجائے بہادروں کی موت مرلنے والوں کا ساتھ دوں گا۔ وہ قوم جو آپ کے تحنت و تاج کے لیے خون بہاتی رہی، آج اسے میرے خون اور پسینے کی ضرورت ہے۔ میں اسے پیٹھیں دکھا سکتا۔“

”ایسے موقعوں پر ایک ساہی فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر میدان میں کوئے نہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میں اپنا فرض پورا کروں گا۔ فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جیتے جی شکست کا اعتراف ایک مسلمان کے شہیان شان نہیں۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر میں ان پانچ ہزار ساہیوں کو بہادروں کی موت مرتکھا دوں تو ساری قوم جی اٹھے گی۔ آپ مصر جائیں۔ مجھے اس خزانے کی ضرورت نہیں، میں پیٹھ پر پتھر باندھ کر اور جسم پر چیختھرے اوڑھ کر اڑوں گا اور مجھے یقین ہے کہ قوم میرا ساتھ دے گی؟“

جلال الدین نے باگ کھینچ کر گھوڑے کو ایڑ لگادی۔

”جلال ٹھہر و! مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ یہاں میرا کوئی نہیں، مجھے اپنے

ساتھ لے چلو۔“

جلال الدین نے گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ “چلنے،”

”لیکن کہاں؟“

”موت کے پیچھے۔ آزادی کی تلاش میں!“

”نہیں نہیں بیٹا! میرا کہا مانو۔ ہم تاتاریوں سے نہیں اڑ سکتے!“

”خدا اور رسول“ کے احکام سے زیادہ میرے لیے آپ کا حکم مقدم نہیں۔

”ہماری منزل اور راستے مختلف ہیں۔ خدا حافظ!“

چند دن کے بعد خوارزم شاہ کو کسی نے تاتاریوں کی آمد کی خبر دی اور وہ اپنے چندر فیتوں سمیت بحیرہ رخ زر کے ایک جزیرے میں پناہ گزیں ہو گیا اور وہیں گناہی کی موت مر گیا۔

(۵)

تاتاریوں کا سیل ہمہ گیر تر کستان، خراسان اور ایران کے وسیع میدانوں کا رخ کر رہا تھا۔ آگ اور خون کے اس طوفان کے سامنے پیاڑ، دریا اور قلعے کوئی شہنشہ۔ شمال اور مغرب میں تاتاریوں کے سیاہ کی لہریں سلطنت خوارزم کی حدود سے آگے گزر کر دریائے دنیپر کے کناروں کو چھوڑ رہی تھیں۔ چنگیز خان کا ایک بیٹا روس میں ماسکو کے دروازے پر دستک دے رہا تھا اور دوسرا مشترقی یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا۔ لیکن خوارزم کی وسیع سلطنت میں ابھی تک ایک ناقابل تنفس چٹان موجود تھی۔ سیاہ کی تند و تیز لہریں کئی بار اس کے اوپر سے گزر گئیں۔ لیکن اسے متزلزل نہ کر سکیں۔ خوارزم کی خاکستر میں ابھی تک آگ کی ایک چنگاری سلگ رہی تھی اور چنگیز خان یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر اس

چنگاری کو ختم نہ کیا گیا تو راکھ کا یہ انبار کسی دن ایک آتش فشاں پیماڑ بن جائے گا۔ یہ
ہنسی چٹان اور یہ نہ بجھنے والی چنگاری جلال الدین تھا۔ ایک بزدل باپ کا بہادر بیٹا۔
وہ ان لوگوں میں سے تھا جو جیتے جی ہار ماننا نہیں جانتے۔ جو فتح اور شکست سے بے
نیاز ہو کر لڑتے ہیں۔ طوفان میں کو دتے ہوئے سمندر کی گھرائی کی پروانیں کرتے۔
جلال الدین نے جانبازوں کی ایک مشتمی بھر جماعت کے ساتھ کئی میدانوں
میں تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ وہ ایک جگہ سے شکست کھا کر نظرتا اور دوسرے دن یہ سنا
جاتا کہ وہ نیس یا چالیس کوس دورانی سلطنت کے کسی کھوئے شہر کو واپس لے چکا ہے
۔ کبھی اس کے ساتھ پانچ ہزار سپاہی ہوتے کبھی پانچ سو اور کبھی پانچ سے بھی کم لیکن
وہ لڑتا رہا۔ وہ بھوکے شیر کی طرح عقب سے حملہ کرتا، عقاب کی طرح ہروال پر جھپٹتا
اور تاتاریوں کے دیکھتے دیکھتے کسی پیماڑ یا جنگل میں روپوش ہو جاتا۔

رات کے وقت اس کے سوار تاتاریوں کی چھاؤنیوں پر حملہ کرتے، اور آن
کی آن میں جلتی ہوئی مشعلوں سے سینکڑوں خیموں کو آگ لگا جاتے۔ وہ تاتاریوں
کی مڈی دل افواج سے مرعوب نہ ہوا۔ مفتوحہ شہروں اور بستیوں پر تاتاریوں کے
مظالم کی داستانیں اس کا حوصلہ پست نہ کر سکیں۔

بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں سن کر
جنوب کے شہروں کی بیشتر آبادی، ہمسایہ ممالک کی طرف ہجرت کر چکی تھی۔ عراق،
شام، افغانستان اور مصر کی طرف جانے والے راستوں پر لاکھوں پناہ گزین بچوں
مردوں اور عورتوں کے قافلے بھوک سے مر رہے تھے۔ صاحب حیثیت لوگ محمد شاہ
کی پہلی شکست کی خبر پا تے ہی دوسرے ممالک میں ہجرت کر چکے تھے۔
لیکن چند اور شہر فتح ہونے کے بعد جب سب کو یقین ہو گیا کہ تاتاری کسی

ایسے مسلمان مرد کو زندہ نہیں چھوڑتے جو تواراٹ حاصل تا ہو تو غریب اور نا دار لوگ بھی
اپنی بستیاں اور شہر خالی کرنے لگے۔ قافلوں اور قافلوں کے رہنماؤں میں سے بہت
کم کو یہ علم ہوتا کہ ان کی منزل کہاں ہے لیکن وہ جا رہے تھے۔ شام مشرق سے
تاتاریوں کا خوف انھیں جنوب مغرب کی طرف دھکیل رہا تھا۔

جن قافلوں کا تاتاریوں سے تصادم ہوتا، ان میں سے چند خوب صورت
عورتوں کے سواتماں کو قتل کر دیا جاتا۔

روزازل سے لے کر اب تک دن کے وقت سورج اور رات کے وقت تاروں
نے خدا کی زمین پر اپنی آنکھوں سے ایسے مظالم نہ دیکھتے تھے۔

پناہ گزینوں کی زیادہ تر تعداد مرو کا رخ کر رہی تھی۔ اور یہ وہ شہر تھا جو چھ
صدیاں پیشتر تر کستان کے فاتح اعظم قطبیہ بن مسلم بائی کا مستقر تھا، جہاں سلطان
سنجربنحوی کی قبر موجود تھی۔

جلال الدین کی سرگرمیوں کے باعث پیشتر پناہ گزینوں کو تاتاریوں کے
ہاتھوں سے نجک کر مرو پہنچنے کا موقع عمل گیا۔ چند مہینوں میں مرو میں کئی لاکھ پناہ گزین
جمع ہو چکے تھے۔



اہم فیصلے

طاہر کو قید ہوئے دس مہینے گزر چکے تھے۔ ابتدائی چند ہفتے عوام بہت مشتعل رہے لیکن آہستہ آہستہ ان کا جوش و خروش سخندا پڑ گیا اور مظاہرے بند ہو گئے۔ حکومت نے عوام کی طرف سے مضمون ہو کر عبدالعزیز، عبدالمالک اور ان کے ساتھیوں کے متعلق حکومت کے خلاف انفرت پھیلانے کے جرم میں گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے لیکن سنجیدہ اور با اثر لوگوں کا ایک طبقہ ان کا حامی تھا اور حکومت کو انھیں پر امن طریقے سے گرفتار کرنے کا موقع نہ ملا۔

بخارا، سمرقند، طوس، ترمذ اور رے کے متعلق المذاک خبریں سن کر اہل بغداد نے پھر کروٹ لی اور طاہر کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ پناہ گزینوں کا ایک قافلہ بغداد پہنچا اور ان کی زبانی تاتاریوں کے روح فرسا مظالم کی داستانیں سننے کے بعد بغداد کی ہر محفل میں خلینہ اور امراء سلطنت کی بے حسی پر نکتہ چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ تاتاریوں کے ایران میں داخل ہونے کی خبر سن کر ان کی بے چینی خوف و ہراس میں تبدیل ہو گئی اور لوگ کھلے بندوں وزیر اعظم، خلینہ اور دوسرے امراء کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرنے لگے۔

ایک رات شہر کی ہر مسجد کے دروازے پر اس مضمون کے اشتہار چسپاں تھے:

”غفلت کی نیند سونے والو! جا گو! ہلاکت اور بر بادی کا

طوفان بغداد کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ جن لوگوں کو

تم اپنا محافظہ سمجھتے ہو، وہ تاتاریوں کے ساتھ تمہاری عزت اور

آزادی کا سودا کر چکے ہیں۔ کیا اب تک حکومت کی غیر جانبداری

یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ طاہر بن یوسف نے خلینہ اور

چنگیز خان کے درمیان جس خفیہ مبحوتے کا انکشاف کیا تھا وہ ہو
 چکا ہے۔ اگر طاہر کا الزام غلط تھا تو حکومت اس پر کھلی عدالت
 میں مقدمہ چلانے کی جرأت کیوں نہ کرتی؟ اگر خلینہ کو علاوہ
 الدین محمد خوارزم شاہ سے دشمنی تھی تو وہ چل بسا۔ اب ترکستان،
 خراسان اور ایران میں تاتاریوں کے مقابل بیان مظلوم کی
 اطاعت سن کر بھی خلینہ دشمنان اسلام کے خلاف اعلان جہاد
 کیوں نہیں کرتا؟

بغداد کے لوگو! تمہارے غدار تمہیں اس دشمن کے ہاتھ
 میں فروخت کر رہے ہیں جو کسی پر حرم کرنا نہیں جانتا اب وقت آ
 گیا ہے کہ تم اپنے لیے ایک فیصلہ کرو۔ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز
 کے بعد ایک پیغام سنایا جائے گا!

جمعہ کے دن مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور پیغام سنانے والا عبد الملک تھا
 - سامعین یہ محسوس کر رہے تھے کہ طاہر بن یوسف کی روح قید خانے سے نکل کر اس
 کے وجود میں آگئی ہے۔ اس کی تقریر کا سب سے پہلا اثر یہ تھا کہ جن قانصیوں نے
 طاہر بن یوسف کے خلاف باغی ہونے کا فتویٰ دیا تھا، ان کے مکانات کو آگ لگادی
 گئی۔ شام کے وقت مشتعل ہجوم وزیر اعظم کے محل کے دروازے کے سامنے نفرے
 لگا رہا تھا۔

(۲)

اکابرین سلطنت ایک وسیع کمرے میں خلینہ کی مند کے سامنے کر سیوں پر
 رونق افروز تھے۔ نقیب نے خلینہ کی آمد کا اعلان کیا اور امراء اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ایک سپاہی نے مند کے پیچھے دروازے کا پر دہ ہٹایا اور خلینہ چار جبشی غامبوں کی ننگی تلواروں کے سائے میں مند پر نمودار ہوا۔ نقیب کے دوسرا ہے اعلان پر امراء اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

خلینہ کے حکم پر ناظم شہر نے اٹھ کر شہر کی تازہ صورت حالات کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی اور اکثر امراء نے یکے بعد دیگرے اس پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ ظاہر کی گرفتاری کے بعد عوام بے حد مشتعل ہو چکے ہیں۔ شہر کے سب سے بڑے قاضی کا مکان صرف اس لیے جلا یا گیا ہے کہ انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کا فتویٰ دیا تھا اور جن علماء نے اس کے بے دین ہونے کا اعلان کیا تھا، مشتعل ہجوم ان گھروں پر ہر روز پھر پھینکتا ہے۔ شہر کی مساجد پر گراہ قسم کے نوجوان قابض ہو رہے ہیں اور سلطنت کے ایک ایک عہدے دار کو برمنبر کوسا جا رہا ہے۔ شہر کے کوتوال نے بتایا کہ عبد العزیز اور عبد الملک کی کوششوں سے فوج کے کئی سپاہی اور افسر در پر دہ ان باغیانہ سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

خلینہ نے یہ تمام واقعات سننے کے بعد بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”باغیوں کی سرگرمیوں کے متعلق ہم بہت کچھ سن چکے ہیں۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ تم لوگوں نے اب تک کیا کیا ہے کتنے آدمی گرفتار کیے؟“

کوتوال اور ناظم شہر اس سوال پر وزیر اعظم کی طرف دیکھنے لگے۔ وزیر اعظم نے اٹھ کر کہا۔ ”امیر المؤمنین کی اجازت سے میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔“

خلینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وزیر اعظم نے کہا۔ ”لوگ اس بات سے زیادہ بدظن ہوئے ہیں کہ ہم نے ظاہر پر مقدمہ چلانے بغیر اسے قید میں ڈال دیا ہے۔

- اس نے اپنی تقریروں میں حکومت پر سخت الزامات لگائے تھے۔ اگر اسے عدالت میں لاایا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ کسی الزام کا ثبوت نہیں دے سکے گا اور رائے نامہ جو آج ہمارے خلاف ہے کل اس سے کہیں زیادہ اس کے خلاف ہو جائے گی۔ ہم اگر آج انڈھا دھنڈا گرفتاریاں شروع کر دیں تو بغداد کے قید خانے بھر جائیں گے لیکن باغیوں کی تعداد میں کمی نہ ہو گی۔

اس کے علاوہ ترکستان کے مفتوحہ علاقوں پر تاتاریوں کے مظالم کی داستانیں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جب اسلامی ممالک کے باشندوں کو پتہ چلے گا کہ بغداد کے عوام حکومت کوتا تاریوں کے ساتھ سازباز کرنے کا مجرم اُردا نتے ہیں اور حکومت کھلی عدالت میں نیک نتیجہ کا ثبوت دینے کی بجائے لوگوں پر سختی کر کے ان کی آواز دبانا چاہتی ہے تو وہ یہ سوچنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حکومت واقعی مجرم ہے۔ طاہر نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تھا کہ اس کے ساتھ جو نوکری یہاں سے روانہ ہوئے تھے، ان کے منڈے ہوئے سروں پر سابق وزیر خارجہ اور حضرت امیر المؤمنین مدظلہ، العالی کے دستخطوں سے ایسی تحریک کی ہوئی تھی جس میں تاتاریوں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی لیکن ہم آسانی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ ایک افسانہ ہے۔ وحید الدین اپنی پہلی سازق کے انکشاف کے بعد اچانک روپوش ہو گیا تھا اور آج تک اس کا پتہ نہیں اور طاہر یہاں سے وحید الدین کے روپوش ہو جانے سے ایک ڈیڑھ ماہ بعد قراقرم کی طرف روانہ ہوا تھا، اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس کے ساتھی وحید الدین سے کوئی تحریر یا ہدایت لے کر گئے تھے۔

اس کے علاوہ اس کے بیان کے مطابق وہ تینوں آدمی مارے جا چکے ہیں اور

ان کے سرخوارزم شاہ کے پاس بھیجی گئے تھے اس لیے وہ اس تحریر کے متعلق بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے قاضی کے سامنے لاایا جائے تو بغداد کا احمد ترین آدمی بھی اسے جھوٹا خیال کرے گا۔ اس کے برعکس اس پر مقدمہ چلانے بغیر اسے قید میں رکھنے یا کوئی اور سزا دینے سے بغداد کے لوگوں کی بے چینی برداشتی جائے گی۔

اماۓ سلطنت کی اکثریت نے وزیراعظم کی تجویز کی حمایت کی۔ خلیفہ نے مہلب بن داؤد کی طرف دیکھا اور اس نے اٹھ کر نہایت فیضح انداز میں تقریر شروع کی:

”هم طاہر کو ایک معمولی عقل کا آدمی سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہو بغداد کی فضما مکدر کرنے کے لیے حکومت خوارزم کی ہدایات پر عمل کر رہا ہے۔ اس کی دولت کے قصے پہلے بھی مشہور تھے اور اب وہ اس مہم کے لیے یقیناً اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آیا ہوگا۔ وہ نوکر جو اس کے ساتھ گئے تھے، نہایت معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔ ممکن ہے کہ دولت کے لائق سے وہ اس کے مقاصد کا آلہ کار بننے کے لیے تیار ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زندہ ہوں اور طاہر نے انھیں بغداد کے کسی گوٹے میں چھپا رکھا ہو اور ان کی موت کا قصہ اس لیے مشہور کیا ہو کہ ہم ان کی جستجو نہ کریں۔ آپ صرف اس بھروسے پر اسے عدالت میں اپنے الزامات ثابت کرنے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔ کہ اس کے حق میں گواہی دینے والا کوئی نہیں لیکن اگر اچانک وہ تین آدمی کسی گوٹے سے نکل کر عدالت میں آ جائیں تو عوام کو آپ یہ نہیں سمجھا سکیں گے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ وحید الدین محض اس سازش کو چھپانے کے لیے روپوش ہو گیا ہو، اسی نے ان تینوں

آدمیوں کے سروں پر کچھ لکھا ہوا اور اسی نے خلینہ کے جعلی دستخط کیے ہوں۔ کسی کے لیے سابق وزیر خارجہ کے ہاتھ کی تحریر پہچانا مشکل نہ ہوگا۔ ظاہرنے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ قرارنمیں ان کے سر موڈ کریے تحریریں پڑھی گئیں۔ اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں بغداد سے ظاہر کے ساتھ بھیجنے سے کچھ عرصہ پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا ۔

”

وحید الدین ایک عام آدمی نہ تھا۔ وہ حکومت کا ایک اہم رکن تھا۔ اگر عدالت میں اس کی سازش ثابت ہو گئی تو عوام ہم سب کو مجرم گردانیں گے۔ اس لیے میں اسے عدالت میں لانا خطرے سے خالی نہیں سمجھتا۔ تا ہم میں وزیر اعظم کی اس رائے کے حق میں ہوں کہ سر دست کسی سخت اقدام سے عوام کو مشتعل کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اگر ہم مذبر سے کام لیں تو یہ تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین مدظلہ، اور قابل احترام وزیر اعظم مجھے اجازت دیں تو میں تخلیے میں ایک تجویز پیش کروں گا۔

خلینہ نے عصر کے وقت وزیر اعظم اور مہلب کو حاضر ہونے کا حکم دے کر مجلس برخاست کی۔

عصر کے وقت جب وزیر اعظم خلینہ کے محل کے دروازے پر پہنچا تو شہر کا نظم اور مہلب باہر نکل رہے تھے۔ وزیر اعظم کے استفسار پر مہلب نے بتایا کہ مجھے خلینہ نے وقت سے پہلے ہی بلا لیا تھا اور میں اپنی تجویز پیش کر چکا ہوں۔ خلینہ میرے ساتھ متفق ہیں اور اب میں آپ کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے خلینہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ ظاہر کو قید سے فرار ہونے کا موقع دیا جائے۔ تاتاریوں کی افواج مرو پر حملہ کچکی ہیں وہ اور اس کے تمام سر پھرے ساتھی موقع ملتے ہی اس طرف بھاگ جائیں

گے۔ اس کے بعد لوگ خود بخو دھنڈے ہو جائیں گے۔ اس کی گرفتاری کے فوراً بعد سرکاری جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ اگر اسے گرفتار نہ کیا جاتا تو وہ ایک دن یادو دن کے اندر بغداد چھوڑنے والا تھا۔ اب ہم اسے رہائی کا موقع دیتے ہی شہر میں منادی کر دیں گے کہ اسے پکڑنے والے کو ایک بہت بڑی رقم انعام دی جائے گی اور اس کے چلے جانے کے ایک یا دو دن بعد ہم یہ مشہور کردیں گے کہ وہ خوارزم شاہ کے ایما پر بغداد میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے آیا تھا۔

وزیر اعظم نے کہا۔ ”آپ نے ہمیں یہ راستا بتا کر ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ میں ابھی داروغہ کو حکم بھیجتا ہوں کہ اسے قید خانے سے بھگا دے۔“

مہلب نے کہا۔ ”یہ کام میرے سپرد سمجھنے۔ میں کل ناظم شہر کے ساتھ خود داروغہ کے پاس جاؤں گا اور اسے سمجھاؤں گا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔“

وزیر اعظم نے کہا۔ ”آپ نے مجھے بہت بڑی ڈینی کوفت سے نجات دلائی، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔“

مہلب نے جواب دیا۔ ”یہ میرا فرض تھا۔“

لوگ بہت زیادہ مشتعل ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں اسے جلدی قید خانے سے نکال دینا چاہیے۔

”آپ مطمئن رہیں، وہ کل تک آزاد ہو جائے گا۔“

(۳)

صفیہ دریا کے کنارے بالائی منزل کی چھت پر کھڑی تھی۔ شام ہونے کو تھی۔ مغربی افق پر آفتاب کو اپنی آغوش میں لینے والے بادلوں کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ پرندے آسمان کی مشتعل کوروپوش ہوتے دیکھ کر اپنے گھونسلوں میں پناہ لے

رہے تھے۔ فضا کے دھنڈ لکے کے ساتھ چاند کا زردی مائل چہرہ روشن ہونے لگا۔
ستارے آسمان کے آنجل سے جھانکنے لگے اور مغموم کائنات مسکرا اٹھی۔ فضا میں خنکی
بڑھ رہی تھی۔ دن بھر کے تھکے ہوئے ماہی گیراپنی اپنی کشتیاں دوسرے کنارے پر لگا
رہے تھے۔ پانی کی سطح سے کبھی کبھی کوئی بے قرار مجھلی ایک دو بالشت اچھلتی پھر
روپوش ہو جاتی۔

صفیہ نے اترنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی
۔ اسے مژکرد یکھا اور بے پرواٹی سے منہ پھیر لیا۔ یہ قاسم تھا۔

اس نے کہا ”صفیہ سردی لگ جائے گی۔ چلو نیچے!“

صفیہ نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ کر پھر دریا کی طرف دیکھنے لگی۔

”صفیہ! خدا کے لیے بولو۔ مجھے جی بھر کر کوسو۔ میرے لیے تمہاری یہ خاموشی
ناقابل برداشت ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ اس دریا کا رخ بدل دینے سے تمہاری
کھوئی ہوئی مسکراہٹ واپس دلائےتا ہوں تو خدا کی قسم میں اس کے لیے بھی تیار ہو
جاؤں گا!“

وہ چلاتی۔ ”تم جھوٹے ہو۔ تم مکار ہو۔ خدا کے لیے جاؤ۔ مجھے پریشان نہ کرو!“
”لبس میں بھی سننے کے لیے آیا تھا۔“ اس نے اپنی خفت کو چھپاتے ہوئے
مسکرانے کی کوشش کی۔

صفیہ نے اور زیادہ تلنخ ہو کر کہا۔ ”تم ظالم ہو، تم کہیں ہو، تم قوم کے غدا ہو۔ جاؤ
ورنہ میں اس چھت سے چھلانگ دوں گی!“

قاسم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ صفیہ! واقعی تمہیں مجھ سے اتنی نفرت

ہے؟

میں تمہیں انفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔ اس نے اپنا بازو چھپڑا نے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

یہ سب کچھ طاہر کی وجہ سے ہے۔ وہ بے قوف بدو! قاسم غصے سے دانت پیش رہا تھا۔

”میں تمہیں ہمیشہ قابل انفرت سمجھتی تھی۔“

”تم جھٹ کھتی ہو۔ تم نے آج جو کچھ ابا، امی اور سکینہ سے کہا ہے، میں سن چکا ہوں۔ مجھ سے انفرت کی وجہ یہ ہے کہ تم اس جاہل سے محبت کرتی ہو لیکن تمہیں اپنا فیصلہ بد لانا پڑے گا۔ تم میرے پاؤں پر سر رکھنے پر مجبور ہو جاؤ گی!“

صفیہ نے قاسم کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں مر جانا بہتر سمجھوں گی اور میں یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتی کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ میں نے جو کچھ چھپا، چھپی اور سکینہ سے کہا ہے، تمام دینا کے سامنے کہوں گی۔ تم زیادہ سے زیادہ موت کی سزادے سکتے ہو لیکن مجھے اس محل سے زیادہ اس کی قبر کی مٹی عزیز ہوگی۔ تم مجھ سے سب کچھ چھین سکتے ہو لیکن اس کی محبت نہیں چھین سکتے۔

”تمہیں اس کی قبر کی مٹی عزیز ہوگی لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسے قبر کی مٹی بھی نصیب نہیں ہوگی۔“

”مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں اسے ہر جگہ دیکھ سکوں گی۔ دریا کی ان لہروں میں چاند کی روشنی میں، ستاروں کی جگہ گاہٹ میں، وہ ہر وقت میرے پاس ہو گا۔ میں پھلوں میں اس کی مسکراہٹ دیکھوں گی، ہواؤں کیسر سراہٹ میں اس کی آواز سنوں گی۔ تم اسے مجھ سے چھین سکتے ہو۔ جدائیں کر سکتے۔“

تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری محبت کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ زندہ رہے یا

مرجائے۔ تمہیں اس کی زندگی کے باند مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں؟

تم ان باند مقاصد کے متعلق کیا جانتے ہو۔ ایک گندی نالی میں پانے والا کیڑا آسمان کی باندیوں سے باتیں کرنے والے عقاب کے خیالات کیسے سمجھ سستا ہے؟ تو کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارے عقاب کے پر صرف تمہاری وجہ سے کاٹ ڈالے جائیں؟ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے زندہ رہے تو تم اسے موت کے منہ سے بچا سکتی ہو لیکن تمہیں ایک جھوٹی سے قربانی دینا پڑے گی۔ میں اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہوں۔

لیکن یہ اچھی طرح سوچ لو۔ تمہیں صرف اس کی ذات سے محبت ہے۔ اس کے مقاصد کے لیے قربانی دینا تمہارے لیے آسان نہ ہوگا۔ تمہیں اپنی محبت قربان کرنا پڑے گی۔ بتاؤ تم اس کے لیے تیار ہو؟ بولو! خاموش کیوں ہو گئیں۔۔۔۔۔ میں آج تمہارا امتحان لینے کے لیے آیا ہوں۔ کان کھول کر سنو۔ اسے قتل کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن تمہارا ایک وعدہ اس کی جان بچا سستا ہے۔ میں اسے قید خانے سے فرار ہونے کا موقع دے ستا ہوں۔ وہ ترکستان یا کسی اور ملک میں جا کر اپنے باند مقاصد کے لیے زندہ رہ سستا ہے۔

صفیہ نے قدرے نرم ہو کر سوال کیا۔ اور اس کے عوض مجھ سے کیا وعدہ لیا

چاہیتے ہو؟

یہ کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو گی؟

دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ صفیہ کے کانوں میں ظاہر کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ آپ ایک عالی شان محل میں رہ کر بھی اپنا دم گھٹتا محسوس کرتی ہیں لیکن ترکستان میں آپ کی ہزاروں ایسی بہنیں جنہیں اس آسمان کے نیچے سر

چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ اس وقت میری توجہ کی حق داروہ ہیں۔ اسلام کی وہ بد نصیب بیٹیاں اپنی عراق، عرب اور مصر کے پر امن شہروں میں رہنے والی بہنوں سے پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر تمہارے بھائی، شوہر اور عزیز ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں تو خدا کے لیے ان کا راستہ نہ روکو!

دریا میں بہتے ہوئے اس انسان کی طرح جس کے ہاتھ میں کنارے پر اُگی ہوتی گھاس کے چند تنکے آگئے ہوں۔ صفیہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔۔۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ لیکن مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ اُسے قید سے چھڑانا تمہارے بس میں نہیں۔

قاسم نے پُرامید ہو کر کہا۔ تم اطمینان رکھو۔ وہ بہت جلد آزاد ہو جائے گا۔ صفیہ نے سراپا التجاہن کر کہا۔ قاسم میرے ساتھ دھوکا نہ کرنا۔ عالم اسلام کو اس کی ضرورت ہے۔ اگر تم مجھے معاف نہیں کر سکتے تو اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ ڈالو۔ میرا ہونا ایک جیسا ہے لیکن اس کی موت شاید لاکھوں انسانوں کی موت ہو۔ قاسم نے جواب دیا۔ تم عنقریب سنو گی کہ وہ خوارزم پہنچ چکا ہے۔ چلو نیچے چلیں۔

صفیہ اس کے ساتھ چل دی۔

وہ کمرے میں داخل ہوتی تو سکینہ نے کہا۔ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ جواب دیے بغیر اپنے بستر پر لیٹ گئی اور تکیے میں منہ چھپا کر بچکیاں لینے لگی۔ سکینہ نے اسے اٹھا کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ صفیہ۔۔۔ صفیہ! تمہیں کیا ہو گیا۔ بتاؤ! لیکن صفیہ نے اس کا ہاتھ جھکلتے

ہوئے کہا۔ سکینہ جاؤ! مجھے تہارہ ہنے دو۔

(۲)

شام کے وقت قید خانے کی چار دیواری کے اندر داروغہ کے مکان کے ایک کمرے میں مہلب، ناظم شہر اور دورانہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ناظم شہر نے مہلب سے سوال کیا۔ فرض کیجئے۔ اگر آج اس نے کھانا نہ کھایا تو؟
تو کل ضرور کھائے گا۔

داروغہ نے کہا۔ میری نظر میں تو وحید الدین بھی کم خطرناک نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ کسی وقت ہماری گردان پر تلوار ثابت نہ ہو گا اس لیے بہتر یہ ہو گا کہ اسے بھی قید خانے کی زندگی سے آزاد کیا جائے۔

مہلب نے جواب دیا۔ اس کے متعلق بعد میں دیکھا جائے گا۔
ایک سپاہی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ قاسم آپ سے مانا چاہتا ہے۔
مہلب نے حیران ہو کر سوال کیا۔ قاسم؟ بلا واؤ سے!
قاسم نے آتے ہی شکایت کی کہ وہ اسے دیر سے ڈھونڈ رہا ہے۔

مہلب نے سوال کیا۔ تمہیں میرے یہاں آنے کی کس نے خبر دی؟ مجھے آپ کی قیام گاہ سے پتہ چلا کہ آپ ناظم کے ساتھ گئے ہیں۔ ناظم کے گھر سے اس جگہ کا پتہ ملا۔ میں آپ سے تہائی میں دو با تیں کرنا چاہتا ہوں۔

مہلب نے ناظم اور دورانہ کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ قاسم گرسی پر بیٹھ گیا۔

ملب نے سوال کیا۔ آپ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ کہیے خیریت تو ہے؟
میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھنئے!

مجھے ابا جان سے معلوم ہوا کہ آپ طاہر کو فرار ہونے کا موقع دینا چاہیتے ہیں۔
یہ درست ہے لیکن یہ بات آپ کسی کو نہ بگائیں۔

میں بحیثیت ایک دوست کے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی یہ درست ہے؟
یہ بالکل درست ہے لیکن اگر آپ کو یہ بات پسند نہ ہو تو فیصلہ تبدیل کیا جائے تباہ
ہے!

”دنیں نہیں۔ قاسم نے جواب دیا۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ فیصلہ
تبدیل نہ کریں۔

مہلب نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ آپ اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس کر
رہے ہیں؟

قاسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ میرے پاس بوجھ محسوس کرنے والا ضمیر نہیں

میں ایسے ضمیر کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ ستا لیکن یہ تو بتائیں کہ آپ ایسے
خطرناک آدمی کو آزاد کیوں کرانا چاہتے ہیں؟ وہ آزاد ہو کر بھی میرا اور آپ کا دشمن
رہے گا۔

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اُسے۔۔۔۔۔؟

آپ گھبرا یہ نہیں۔ اگر آپ کی خواہش یہ ہے کہ وہ آزاد ہو تو میں اپنی خواہش
کے خلاف بھی اسے بھاگ جانے کا موقع دوں گا۔

قاسم نے کچھ کہا۔ میں آپ کو ایک اور تکلیف دوں گا۔

اگر میں اپنے دوست کے لے کچھ کرسکوں تو مجھے راحت ہوگی۔

میری کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میری صفیہ کے ساتھ شادی ہونے والی ہے۔ ظاہر کو ہم نے اس کے سامنے گرفتار کیا تھا۔ اسے ظاہر کے ساتھ صرف اس لیے دچپی تھی کہ وہ اسلام کا بہت بڑا خادم ہے۔ اب وہ مجھ سے بدلنے ہو چکی ہے۔ اگر آپ میری مدد کریں تو ہم اسے یقین دلا سکتے ہیں کہ ظاہر کو آزاد کرنے میں میری کوششوں کو بھی دخل تھا اور آپ نے میری دوستی کی وجہ سے خلینہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی۔ شاید اسے میرے کہنے پر یقین آجائے۔

مہلب نے کہا۔ اتنی سے بات؟ میں سمجھتا تھا کہ آپ مجھے کسی بڑے کام لے لیے کہیں گے۔ کل صحیح میرا پہلا کام یہی ہو گا لیکن یہی بہتر ہو گا کہ میں اس کے ساتھ باتیں کرنے کی بجائے آپ کے ساتھ کسی ایسی جگہ باتیں کروں جہاں وہ سن سکے۔ قاسم نے جواب دیا۔ اس کا انتظام ہو جائے گا۔ اس پر صرف یہ ظاہر ہونا کافی ہے کہ میں آپ کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔ وہ یقیناً سُننے کے لیے آئے گی۔

مہلب نے ہستے ہوئے کہا۔ آئندہ سیاسی زندگی میں آپ کے لیے ایسی ہوشیاری یوں بہت بڑی معاون ثابت ہو گی۔ میں آپ کے سر پر سپہ سالار کی دستار رکھ رہا ہوں۔

شکریہ! اور آپ کے متعلق میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ والد کے بعد بغداد کے وزارت عظیمی کا قلم دان آپ کے ہاتھ میں ہو گا۔

لیکن مجھے آپ کے متعلق خدشہ ہے کہ آپ بیک وقت دونوں عہدے سنبھالنے کی کوشش کریں گے۔

اور آپ کے متعلق مجھے یہ خدشہ ہے کہ آپ خلینہ کا تاج چھیننے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

مہلب نے ہنستے ہوئے سنجیدہ ہو کر کہا۔ لیکن تم جانتے ہو کہ میں خلینہ کا اوفا دار ہوں۔

قاسم نے اٹھ کر کہا۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ اچھا میں جانا ہوں۔ آپ صحیح آنے کا وعدہ یاد رکھیے۔

میں ضرور آؤں گا۔

قدرت کا ہاتھ

طاہر مغرب کی نماز کے بعد ہاتھ انداختا کر دیا تھا اور پرے دار آئے اور اس کی کوٹھڑی کے اندر کھانا رکھ کر چلے گئے۔ گزشتہ دو دن سے اس کی طبیعت ناساز تھی، اس لیے دعا سے فارغ ہونے کے بعد بھی اس نے کھانے کی طرف توجہ نہ دی جھوٹی دیر کوٹھڑی میں شبلیں کے بعد وہ دیوار سے میک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اٹھا اور کوٹھڑی کے دوسرے حصے میں جا کر وحید الدین کو آواز دی۔ آج آپ نہیں آئیں گے۔

میں ابھی آتا ہوں۔ اس نے جواب دیا۔

طاہر کچھ دیر اس کے انتظار میں ٹہلتا رہا پھر عشاء کی نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وحید الدین نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر سوال کیا۔ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟

طاہر کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے قریب آ کر کہا۔ تم نماز پڑھ رہے ہو!

وہ جھوٹی دیر اس کے قریب بیٹھا رہا پھر اچانک بولا۔ تمہارے کمرے سے پنیر کی بو آ رہی ہے۔

طاہر سنت کی رکعتیں پوری کرنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے پھر زور زور سے سو نگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میں حیران ہوں کہ مجھے آج پنیر کی بو آ رہی ہے؟

طاہر نے جواب دیا۔ میری قوتِ شامہ تو آج کام نہیں کرتی۔ دروازے کے سامنے میرا کھانا پڑا ہے۔ اگر اس میں پنیر ہے تو آپ کھا سکتے ہیں

وحید الدین نے دوبارہ زور سے سوگھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ گوشت بھی ہے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں مجھے ان کمجنگوں نے صرف دو عیدوں پر گوشت بھیجا ہے۔ پنیر کا تو میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا۔ میری بات پر یقین کرو۔ پہرے داروں میں تمہارا کوئی نہ کوئی عقیدت مند ضرور ہے۔ میں گوشت اور پنیر کا خواہ شمند نہیں لیکن ایسے موقعوں پر دوستوں کو ضرور یاد رکھنا چاہتے۔ اُف! تم نماز پڑھ رہے ہو!

طاہر نے نماز فرض پوری کی اور کہا۔ آپ وہ کھانا اٹھا کیوں نہیں لیتے۔ اگر اس میں پنیر ہے تو وہ سارا آپ کا، اگر گوشت ہے تو آدھا آپ کا لیکن اگر صرف سوکھی روٹی ہے تو ساری آپ کو کھانا پڑے گی۔

خدا کی قسم میری قوت شامہ مجھے دھوکا نہیں دیتی۔ یہ کہہ کروہ اٹھا اور برتن اٹھا کر طاہر کے قریب آبیٹھا۔ خدا تمہارے عقیدت مند کو جزاۓ خیر دے۔ گوشت بھی ہے اور پنیر بھی۔ ارے روٹی بھی رونگی ہے۔

طاہر نے کہا۔ میرا انتظار نہ کیجئے۔ میں نماز ختم کر کے آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔

بے شک اطمینان سے پڑھو۔ کھانا ہم دونوں کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ میں پنیر سے شروع کرتا ہوں لیکن تمہارا حصہ رکھ لوں گا۔ وہ نوالہ چباتے ہوئے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ یہ کسی فیاض آدمی کا کام ہے۔ خدا کی قسم اگر میں رہا ہو کر وزیر اعظم بن جاؤں تو بغداد کے تمام فیاض آدمیوں کو قید خانے کے سپاہی بھرتی کر لوں اور یہ حکم دوں کہ بے گناہ قیدیوں کو دونوں وقت گوشت اور پنیر کھانے کو دیا جائے۔ نہیں بلکہ دودھ، شہد اور پھل بھی۔ میں سرکاری باغات کے تمام پھل قیدیوں

کے لیے وقف کر دوں گا۔

طاہر نے نماز ختم کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو وحید الدین کے جبڑوں کی آواز سے بہت ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک یہ چپا چپ کی آواز بند ہو گئی اور چند لمحات کے بعد طاہر کا ساتھی چلایا۔ طاہر! طاہر! اس کھانے کو ہاتھ نہ لگانا۔ زہر! زہر!! طاہر نے دہشت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ زمین پر سمبل سا ہو کر توبہ رہا تھا۔ میرے دوست خدا حافظ!

وحید الدین نے محسوس کیا کہ کوئی اپنے طاقت و رہنماؤں سے اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ چند بار کروٹیں بد لئے کے بعد اس نے ہاتھوں کا سہارا لے کر سراو پر اٹھایا اور پھر فرش پر ٹھنخ دیا۔ طاہر نے اس بازو سے سنبھال کر اس کا سراپی آغوش میں لے لیا۔ اچانک اس کے جسم کے تمام پٹھتے نگئے اور وہ آخری بھلکی لینے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔

طاہر کی حالت اس شخص کی سی تھی جسے اچانک فانج نے آدبا یا ہو۔ وہ اپنی زندگی میں کبھی اس قدر خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ چند لمحات وہ وحید الدین کا سراپی گود میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ آہستہ آہستہ اس کے دل کی دھڑکن واپس آنے لگی۔ خوف سے پتھر اٹی ہوئی آنکھیں گرد و پیش کا جائزہ لینے لگیں۔ ہاتھوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ وحید الدین کو ٹھوٹل رہا تھا۔ اُسے بُلا رہا تھا۔ یہ مرچکا ہے۔ اس کے دل نے آواز دی۔ نہیں تو مرچکا ہے۔ یہ کھانا تیرے لیے آیا تھا اور اب۔

ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے دماغ میں آیا۔ اس کی سانس تیز ہونے لگی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ دروازے سے باہر چند آدمیوں کے سیڑھیوں سے

اترنے کی آہٹ سنائی دی اور ایک آن میں اس کی تمام کھوئی ہوئی قوتیں واپس آگئیں۔

اس نے وحید الدین کی لاش اٹھائی اور کوٹھری کے دوسرا سے حصے میں جا کر سوراخ کے اندر دھکیل کر پتھر کی سلمیں اور پر رکھ دیں۔ پاؤں کی آہٹ قریب آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے کھانے کے برتنوں کے قریب پہنچ کر منہ کے بل لیٹ گیا۔ آدمی دروازے پر کھڑے تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے پھر کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹ کھایا اور تھوڑے وقفے کے بعد قفل میں چابی ڈالنے کی آہٹ سنائی دی۔ پھر دروازے کی زنجیر کے کھٹ سے گرنے کی آواز آئی۔ دروازے کی چڑچڑ اہٹ سن کر طاہر نے آنکھیں بند کر لیں اور دم سادھلیا۔

مہلب، داروند اور ناظم شہر پانچ سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ایک سپاہی کے ہاتھ میں مشعل تھی۔

طاہر کے جسم کو ٹھوکر مارنے کے بعد مہلب نے کہا۔ دیکھا! تم کہتے تھے کہ ذرا اور انتظار کر لیں۔ اس زہر کا ایک قطرہ ہاتھی کو مار دینے کے لیے کافی تھا۔ ذرا مشعل نیچے کرو۔ میں دیکھوں اس نے کیا کھایا ہے۔ سپاہی نے مشعل نیچے کی اور مہلب نے کہا۔ دیکھا میں میں نے کہا تھا کہ یہ بد و سب سے پہلے پنیر سے شروع ہو گا لیکن یہ آدھے سے زیادہ چٹ کر گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چباۓ بغیر نگل گیا اور نہ اس کا ایک ہی لقمه کافی تھا۔ یہ باقی پنیر اٹھالو۔ کل وحید الدین کی دعوت ہوگی۔ آدمیرا یہاں دم گھستا ہے۔ اب اسے سنبھالنا سپاہوں کا کام ہے۔ دیکھو لاش کے ساتھ پتھر ضرور باندھ لیں۔ لیکن وہ اتنا بھاری نہ ہو کہ ہیں ڈوب جائے اور کل ماہی گیرا سے دکھاتے پھریں۔ پتھر صرف اتنا ہو کہ لاش پانی کی سطح پر طاہر نہ ہو لیکن بہتی ضرور رہے۔

داروغہ نے کہا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ یہ اس قسم کی بیس لاشیں ٹھہڑے نے لگا چکے ہیں
۔ یہ میرے خاص آدمی ہیں۔

مہلب نے سونے کے چند سکے نکال کر سپاہیوں میں بانٹتے ہوئے کہا۔ یہ
تمہارا انعام ہے۔

مہلب، ناظم اور داروغہ چلے گئے۔ سپاہیوں نے طاہر کو گھیٹ کر باہر نکالا اور
کندھوں پر لاد کر چل دیئے۔ دریا کے کنارے پہنچ کر انہوں نے اسے کشتنی
میں پھینک دیا۔ طاہر کی کمر میں سخت چوت آئی لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔
تین سپاہی واپس چلے گئے اور دو سپاہی کشتنی کو پانی میں دھکیل کر اس پر سوار ہو گئے۔
ایک سپاہی نے کہا تم اس کی کمر کے ساتھ پھر باندھو اور چپو سن جاتا ہوں۔
تم سب بُرے کام مجھ سے کرواتے ہو!

اب اس کے ساتھ اور بُرانی کیا ہو سکتی ہے؟ آج تم یہ کام کرو۔ گلی میں کروں گا

گلی بھی دو دو اشرفیاں مل جائیں گی۔ خدا کرے وزیر خارجہ چندرا اور آدمیوں پر
بھی اپنے زہر کی آزمائش کرے لیکن دوست! اس کام سے وزیر ناظم اور دو راغنے نے
جو کچھ حاصل کیا ہو گا اس کا ہزارواں حصہ بھی ہمیں نہیں ملا۔

کشتنی پر تمام ضروری چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ سپاہی نے طاہر کی کمر میں رسی
ڈال کر اس کے ساتھ ایک پھر باندھ دیا۔ منجد حار میں پہنچ کر دونوں نے طاہر کو ہاتھ
اور پاؤں سے پکڑا اور آہستہ سے پانی میں ڈال دیا۔

طاہر کچھ درے دم رو کے پانی کے ساتھ بہتارہا۔ بالآخر اس نے اوپر آنے کی
کوشش کی۔ کمر کے ساتھ پھر پہلے ہیکافی کس کر بندھا ہوا تھا اور بھیگ جانے سے

رسی کی گرہ اور زیادہ سخت ہو گئی تھی۔ تاہم اس نے محسوس کیا کہ وہ پھستر کا بوجھ اٹھا کر تیر سنتا ہے۔ جب تک کشتنی کافی دور نہ چلی گئی۔ وہ صرف سانس لینے کے لیے سراپر نکال کر تیرتا رہا۔ اس نے چند بار اپنی کمر کے بوجھ سے چھڑکارا حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی کی بجائے چند غوطے آگئے۔ کپڑوں میں پانی رچ جانے کے باعث اس نے محسوس کیا کہ اتنا بوجھ لے کر کنارے تک پہنچنا آسان نہیں۔ اس کا رُخ دوسرے کنارے کی طرف تھا لیکن تیز رفتار اور سرد پانی اسے کنارے کی طرف ایک گزر بڑھنے کے بد لے کنی گز بہار کے ساتھ چیچے جانا پڑا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی اور اسکے انعطافاً شل ہور ہے تھے لیکن قدرت کی اعتماد پر ایک متزلزل نہ ہونے والے یقین نے اس کی حوصلہ پست نہ ہونے دیا۔

(۲)

رات کے وقت سونے سے پہلے سکینہ کچھ دری صفیہ کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہے۔ صفیہ بے تو جھنی سے کبھی کبھی کسی بات کا جواب دیتی اور پھر خاموش ہو جاتی۔

جاو سکینہ سو جاؤ۔ صفیہ یہ کہتی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔ سکینہ اٹھ کر آہستہ آہستہ برابر والے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازے کا پردہ اٹھایا لیکن کچھ سوچ کر صفیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

صفیہ! اس نے جھکتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں ایک چیز دکھانا چاہتی ہوں۔

وہ کیا؟

ابھی لاتی ہوں!

سکینہ اپنے کمرے سے چاندی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ اٹھا لائی اور گرسی کھسکا کر

صفیہ کے بستر کے قریب بیٹھ گئی۔

بھلا اس میں کیا ہے؟ سکینہ نے معصومیت سے سوال کیا۔

مجھے کیا معلوم!

دیکھو تو سہی۔ سکینہ نے ڈبے کھول کر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ صفیہ نے بے پرواںی سے گردن اور ایک نظر ڈالنے کے بعد پھر اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔ سکینہ نے ڈبے سے چمکتے ہوئے متیوں کا ہار نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ لو، میں نے آج ہی منگوایا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ تم ہیں شادی کے موقع پر یہ تخفہ پیش کروں گی لیکن میں اتنے دن انتظار نہیں کر سکتی۔ تم اسے اپنے پاس رکھو۔ جو ہری کہتا تھا کہ اس سے بڑے متی سارے بغداد میں نہیں۔ میں نے اسے ایک ہیرے کی انگوٹھی لانے کے لیے بھی کہا ہے وہ کہتا تھا کہ بغداد میں اس جیسا ہیرا کسی کے پاس نہیں ہوگا۔ لوصفیہ یہ ہار مجھے پہن کر دکھاؤ۔

صفیہ بے حس و حرکت متیوں کے ہار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سکینہ نے اسے بازو سے کھینچ کر اور اٹھایا اور اس کی مزاحمت کے باوجود اس کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

صفیہ ہار اٹا رنے کی کوشش کر رہی تھی اور سکینہ اسے روک رہی تھی اس زور آزمائی میں ہار کی اڑی پر دونوں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

سکینہ کہہ رہی تھی۔ خدا کے لیے اسے مت اتا رو۔ یہ بد شکونی ہے۔

نہیں مجھے تمہارے متیوں اور تمہارے ہیروں سے انفرت ہے۔

مجھے اس محل سے انفرت ہے۔ مجھے اپنی زندگی سے انفرت ہے۔ سکینہ! سکینہ!

مجھے تنگ نہ کرو!

اس کشکش میں ہار ٹوٹ گیا۔ کچھ مولی بستر اور کچھ فرش پر بکھر گئے۔ سکینہ نے
آبدیدہ ہو کر کہا۔ تم بہت ظالم ہو!

صفیہ نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ سکینہ مجھے معاف کر دو۔ میں صبح ان موتوں کو
اپنے ہاتھوں سے پروکر پہن لوں گی۔ لیکن صرف تمہارے لیے کسی اور کے لیے نہیں

لیکن تم نے قاسم کے ساتھ شادی کا وعدہ نہیں کیا؟ تم نے کھانا کھاتے وقت
امی جان کے سامنے رضامندی کا اظہار نہیں کیا؟ میں جانتی ہوں تم صرف مجھے رُلانا
چاہتی ہو۔

سکینہ! میرا مطلب یہ تھا کہ اگر میں زندہ رہی تو قاسم کے ساتھ شادی کر لوں گی

پگی۔ لوگ جیسے مرکر شادی کیا کرتے ہیں۔
لیکن سکینہ! شادی سے پہلے اگر مجھے موت آجائے تو؟ بکونہیں۔ تم اسی سال
تک جیو گی۔

سکینہ نے موتی چن کر ڈبے میں ڈالنے ہوئے کہا۔ میں صبح خود انہیں پروکر
تمہارے گلے میں ڈالوں گی۔ قاسم۔ امی اور ابا کے سامنے نہیں بلکہ تمام سہیاں یوں
کے سامنے۔

سکینہ اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔ صفیہ کچھ دری بستر پر لیٹ کر جھپٹ کی طرف
دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کتاب اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کی لیکن چند ورق اُلنے کے
بعد کتاب ایک طرف رکھ دی اور شمع بُجھا کر سونے کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہ آئی۔
چند کروٹیں بد لئے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے میں ٹھیلنے لگی۔ ٹھیلتے ٹھیلتے گرسی پر بیٹھ گئی۔

پھر اٹھ کر دورازہ کھولا اور بے پاؤں باہر نکل آئی۔

برآمدوں سے گزرتی ہوئی محل کے دوسرے سرے دریا کے کنارے جا پہنچی۔

راستے میں اُسے خیال آیا کہ وہ تنگے پاؤں ہے لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔

وہ کچھ دیر کونے کے کمرے کے سامنے بلند چبوترے پر کھڑی چاند کی روشنی میں دریا کا منظر دیکھتی رہی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سیر ہیوں پر پاؤں رکھتی نیچے اُتری اور آخری سیر ہی پر جو پانی کی سطح سے ایک بالشت اور پرتھی۔ بیٹھ گئی۔ قاسم اسے یہ خوش خبری دے چکا تھا کہ طاہر آج رات آزاد ہو جائے گا اور شاید آزاد ہوتے ہی بغداد سے نکل جائے۔ اسے جس قدر اس کے آزاد ہونے کی خوشی تھی، اُسی قدر اس بات کا غم تھا کہ باقی تمام زندگی بغداد کا پررونق شہر سے سو ناظر آئے گا۔ اس کی زندگی کی مسکراتیں ہمیشہ کے لیے چھن جائیں گی۔ کاش وہ آزاد ہو کر یہاں رہ سکتا۔ کاش! وہ اس کے ساتھ جا سکتی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک مجھلی اچھلی اور پھر پانی میں غائب ہو گئی۔ صفیہ نے اپنے دل میں کہا۔ مجھ میں اور اس مجھلی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ آسمان کو ایک بڑا سمندر سمجھ کر ایک ہی جہت میں وہاں پہنچ جانا چاہتی ہے۔ اپنے چھوٹے چھوڑے پر دیکھ کر اسے یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید میں اُر سکتی ہوں لیکن یہ پانی کی سطح سے اوپر ایک نگاہ سے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ اسے کیا معلوم کہ اس کی پر صرف تیرنے کے لیے ہیں۔ اُڑنے کے لیے نہیں۔ یہ پانی کی گہرائی میں غوطہ لگا کر نجی سطح کی کچھ تک پہنچ سکتی ہے نیگوں فضا میں پرواز نہیں کر سکتی۔ صفیہ یہ محل تیرے لیے ایک جھیل ہے تو نے اس کے گدے اور بدبو دار پانی کی سطح پر تیرتے ہوئے آسمان کی بلندیوں پر اُڑنے والا ایک آزاد پرندہ دیکھا۔ ٹونے پانی سے اُچھل کر اس کا ساتھ دینا چاہا لیکن تیرے پاس اُڑنے کے لیے پر نہ تھے۔ تیرے ساتھی آسمان سے

سرگوشیاں کرنے والے عقاب نہیں۔ اس کے بدبو دار اور گدے پانی میں رہنے والے کچھوے ہیں۔ لیکن نہیں، تو جھیل میں پیدا ہونے کے باوجود بھی شاید اس عقاب کا ساتھ دے سکتی لیکن شکاریوں نے اسے پکڑ کر ایک پنجربے میں بند کر دیا اور ایک کچھوے نے آکر تجھ سے یہ کہا کہ اگر تو اس کچھڑ میں میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس عقاب کو پنجربے سے نکال دوں گا۔ ٹو نے اس عقاب کو آزاد کروانے کے لیے یہ وعدہ کر لیا۔ تو نے بہت اچھا کیا لیکن کیا تو اس قابلِ نفرت کچھوے کے ساتھ کچھڑ میں رہ سکے گی؟ تجھے صرف موت اس کشکش سے نجات دلا سکتی ہے۔ خود کشی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں نہیں یہ بُرداری ہے۔ یہ خدا کی رحمت سے انکار ہے۔ یہ انسانیت کی تو ہیں ہے۔ اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ پھیلا کر بلند آواز میں کہا۔ میرے اللہ! مجھے ہمت دے، مجھے صبر دے۔ ایک بے کس عورت جس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ آج تیری رحمت کا سہارا لیتی ہے۔

(۳)

وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے قریب پانی میں ہلاکا سا شور سنا لی دیا اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ سیڑھی سے چند قدم کے فاصلے پر کوئی پانی میں آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ خوف سے اس کا دل دھڑ کنے لگا اور وہ چند سیڑھیاں اوپر چڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک آدمی پانی میں ڈوب ڈوب کر ابھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صفیہ نے محسوس کیا کہ اس کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ چند گز نیچے جانے کے بعد وہ سیڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دونوں بازوں سیڑھی پر پھیلا کر اپنا سرٹیک دیا لیکن خوف پر ہمدردی غالب آگئی۔ وہ ڈرتے ڈرتے نیچے اتری۔

تم کون ہو؟ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے جنپش تک نہ کی۔ وہ بڑی طرح ہانپ رہا تھا۔ صفیہ ذرا اور جرات کر کے آگے بڑھی اور اس سے دو سیر صیال اور پرکھڑی ہو کر بولی۔ میں پوچھتی ہوں تم کون ہو اور اس وقت یہاں کیوں آئے؟

اس نے سراو پرانا کراور ایک نظر صفیہ کو دیکھنے کے بعد پھر نیچے ڈال دیا۔ ایک ثانیے کے لیے صفیہ کے پاؤں زمین سے پیوست ہو کر رہ گئے۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ طاہر! ۔۔۔۔۔ طاہر! آپ ۔۔۔۔۔ اس حال میں؟

اس نے دوبارہ گردان اٹھائی۔ کون صفیہ؟ صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اور اپر کھینچنے لگی۔ طاہر سیر ھمی پر جمڑھ کر لیٹ گیا۔ صفیہ نے اس کی کمر کے سنتھ بندھی ہوئی پتھر کی سل دیکھ کر کہا ظالم دغا باز، مکینہ!

کون؟ ۔۔۔۔۔ میں؟ طاہر نے ذرا گردان اٹھا کر سوال کیا۔ نہیں۔ نہیں میں قاسم کے متعلق کہہ رہی ہوں۔ اس نے آپ کو قید سے چھپڑا نے کا وعدہ کیا تھا۔ طاہر نے اٹھ کر اپنا سر ہاتھوں میں دباتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارا محل ہے۔ جی ہاں۔

بہت دور آگیا میں۔ یہ پتھر مجھے بری طرح دوسری دنیا کی طرف دھکیل رہا تھا۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے ان دو آدمیوں سے کشتی پڑی نپٹ لینا چاہیے تھا! صفیہ نے کہا۔ یہاں خطرہ ہے۔ اٹھیے میرے ساتھ آئیں! طاہر لڑکھڑا تا ہوا صفیہ کے ساتھ چل دیا۔ دونوں کنارے سے چند قدم کے فاصلے پر ایک گھنے درخت

کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔

صفیہ نے پوچھا۔ آپ زخمی تو نہیں؟

نہیں لیکن تھکاؤٹ سے چور ہو چکا ہوں۔ میں نے قید خانے کے قریب سے اس پتھر کے ساتھ تیرنا شروع کیا تھا۔ آپ یہاں کیا کر رہی تھیں؟

کچھ نہیں۔ لائیٹے میں یہ پتھر کھول دوں۔ زندہ آدمی کو پتھر باندھ کر دریا میں پھینکنے والا قاسم کے سوا اور کون ہو ساتا ہے۔

میں نے قاسم کو نہیں دیکھا اور مجھے دریا میں پھینکنے والوں کو یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں۔

وہ کیسے؟

میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس نئے قید خانے سے نکلنے کا کون سارا ستہ ہے؟

ادھر دیکھیے۔ وہ کشتیاں کھڑی ہیں۔ آپ کشتی چلا سکتے ہیں نا؟ ورنہ محل میں ایک نوکر ہے جسے میں آپ کے ساتھ بھیج سکتی ہوں۔

نہیں میں کشتی چلانا جانتا ہوں۔ اس دن میری طرح آپ کو وہ نوکر گرفتار تو نہیں ہو گیا تھا؟

نہیں۔ میں نے اسے بھگا دیا تھا۔ آپ کے باقی دوستوں میں سے بھی کوئی گرفتار نہیں ہوا۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھ سے بدظن ہو گئے ہوں گے۔ قاسم نے آپ کو ستانے کے لیے مجھ سے کہا تھا۔ بات یہ تھی کہ قاسم نے وہ رُقعہ لوٹھی سے چھین کر پڑھ لیا تھا۔

ظاہر نے کہا۔ آپ کو صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں قاسم کو اچھی

طرح جانتا ہوں اور آپ کی تسلی کے لیے یہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ میں آپ کو بگدا دکی تمام خواتین سے زیادہ قابلِ احترام سمجھتا ہوں۔ آپ کسی سے اس ملاقات کا ذکر نہ کریں۔ میرے دشمن آج سے یہ سمجھیں گے کہ میں مر چکا ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے پھر بگدا دکھانا پڑے ہے۔ مجھے قید خانے میں انہوں نے زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میری بجائے وہ کھانا ایک اور شخص نے کھالیا۔ وہ میرے ساتھ وائی کوٹھری میں بند تھا۔ ہم ٹنگ سرگ کے راستے ایک دوسرے کے پاس آ جاسکتے تھے۔ رات کے وقت وہ میرے کمرے میں آیا۔ میرا کھانا پڑا ہوا تھا۔ اس نے زہر آلو دپنیر کھالیا اور مر گیا۔ میں اسے سرگ میں دھکیل کر اور پرسليں رکھا آیا ہوں۔ اس کے بعد میں دم سادہ کر لیٹ گیا۔ اور انہوں نے مجھے مردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا۔ مجھے زہر دینے کی سازش میں شہر کا ناظم، قید خانے کا داروغہ اور مہلب بن داؤ دشريك تھے۔ قاسم کے متعلق مجھے علم نہیں۔

ایسی ناپاک سازش قاسم کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ شام سے تھوڑی دیر بعد اس نے باہر جاتے ہوئے مجھے بتایا کہ مہلب اور ناظم شہراس کے ساتھ آپ کو آزاد کرنے کا وعدہ کر چکے ہیں وہابھی تک شاید واپس نہیں آیا۔

ظاہر نے کہا۔ قاسم کا اس سازش میں شريك ہونا میں بعید از قیاس نہیں سمجھتا۔ اب آپ کے ذمے ایک اکم ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے پچا کو ان حالات سے باخبر کر دیں۔

آپ کا مطلب ہے کہ میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں؟ نہیں، میرے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ انہیں صرف یہ بتا دیجئے کہ مہلب کے دیے ہوئے زہر سے وحید الدین سابق وزیر خارجہ ہلاک ہو چکا ہے اور وہ چھپا ہوا

نہیں تھا بلکہ مہلب نے اسے قید کر رکھا تھا۔ چنگیز خان کو پیغام بھجوانے کی سازش مہلب نے کی تھی اور اب سازش کے انکشاف کے خوف سیاس نے دو بے گناہوں کی جان لی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وحید الدین کی لاش اس سرگ میں پڑی ہوئی ہے۔ اپنے بچپا کو مجبور کریں کہ وہ شُخ ہوتے ہی قید خانے کی ان کوٹھڑیوں کا معائنہ کریں ورنہ کل رات اسے بھی میری طرح دریا میں پھینک دیا جائے گا۔ تمہارے بچپا ان باتوں پر اختبار کرنے سے پہلے تم سے یہ پوچھیں گے کہ تم ہیں ان واقعات کا علم کیسے ہوا؟ تم اس کا یہ جواب دے سکتی ہو کہ قید خانے کے ایک سپاہی نے یہ واقعات میرے کسی دوست کو بتائے ہیں اور اس نے تمہارے نوکر سعید کو آدمی رات کے وقت تمہارے پاس بھیجا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان واقعات کی چھان بین کرنے کی بجائے فوراً قید خانے کی طرف متوجہ ہوں گے۔

صفیہ نے کہا۔ میں اس کا بندوبست کر لوں گی۔ میں علی الصباح گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں جاؤں گی اور وہاں سے فوراً واپس آ کر بچپا کو یہ سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر وہ پوچھیں گے تو میں کہوں گی کہ میدان میں مجھے ایک اجنبی نے یہ تمام واقعات بتائے ہیں اور مجھ سے درخواست کی ہے کہ فوراً آپ کو باخبر کر دوں۔

اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ خلینہ کی حمایت کے باوجود مہلب کے بغداد رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ آپ اپنے بچپا کو مشورہ دیں کہ وہ داروغہ یا ناظم کو دھمکی دیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اصلی مجرم کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے پیشتر وہ وحید الدین کی لاش ضرور برآمد کر لیں۔ میں اب جاتا ہوں۔ شاید کل رات میں ترکستان روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ نے وہاں کی کوئی خبر سنی ہے۔

ہاں۔ بہت بُری خبریں۔ تاتاری بخارا اور سمرقند کے علاوہ شمال کے کئی اور شہر

فتح کر چکے ہیں اور اب ان کی افواج جنوب اور مشرق کے شہروں کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

بلخ کے متعلق کوئی خبر سنی؟

بلخ پر حملہ ہونے والا ہے!

بہت اچھا میں جاتا ہوں۔

صفیہ نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ میں ایک بارٹھکرائی ہوئی درخواست دوبارہ دو ہرانا چاہتی لیکن جیتے جی انسان کے ہاتھ امید کے دامن سے جدا نہیں ہوتے۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے یہاں سے لے چلیے۔ اگر اپنے ساتھ نہیں تو مجھے مدینے بھیج دیجئے۔ میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی!

نہیں نہیں۔ یہ موضوع نہ چھیڑو!

لیکن کیوں؟ آپ مجھے اس قدر قابلِ نفرت کیوں سمجھتے ہیں؟

میں آپ کو قابلِ نفرت نہیں سمجھتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اپنی نظروں میں قابلِ نفرت نہ بن جاؤں۔

صفیہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن دوپہرے داربا تیں کرتے ہوئے برآمدے سے نکلنے اور چبوترے پر کھڑے ہو گئے۔

ایک کہہ رہا تھا۔ قاسم رات ہوتے ہی کشتی پر دوسرے کنارے گیا تھا ابھی تک نہیں لوٹا۔

دوسرے نے کہا۔ بھائی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ کسی جو ہری کی دکان لوٹنے گیا ہو گا۔

کس کی شادی؟

ارے قاسم کی۔

کس کے ساتھ؟

یہ تو ہمارے اصطبل کے سائیں بھی جانتے ہیں۔ صفیہ کے ساتھ۔

بالکل بکواس۔ صفیہ کے متعلق تو اس محل کے چنگاڈڑ بھی یہ جانتے ہیں کہ اسے
قاسم کے ساتھ روزِ پیدائش سے انفرت چلی آتی ہے۔

لگاؤ شرط!

تم پہاڑے میرے ساتھ کئی شرطیں ہار چکے ہو۔ پہاڑ پہلی شرط کے چار دینار مجھے
دے دو۔ پھر نئی شرط لگاؤ گا۔

وہ میں تمہیں صحیح ہوتے ہی دے دوں گا لیکن مزاجب ہے کہ تم میرے ساتھ
بیس دینار کی شرط لگاؤ۔

منظور ہے۔ لیکن ایسے نہیں، چلو صادق کے سامنے دونوں قسم کھاتے ہیں۔

چلو!

سپاہی چل دیے اور طاہر نے آہستہ سے پوچھا۔ کیا یہ درست ہے؟

ہاں! قاسم نے آپ کو اس شرط پر قید سے آزاد کرنے کا ذمہ لیا تھا کہ میں اس
کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ کروں اور مجھے آپ کے لیے یہ وعدہ کرنا پڑا۔ اب اس
انکشاف کے بعد اس وعدے سے آزاد ہوں گی لیکن اگر اس کے باوجود آپ یہ سمجھتے
ہیں کہ میری وجہ سے آپ اپنی نظروں میں قابل انفرت بن جائیں گے تو مجھے حکم دیجئے
۔ اس دنیا میں ذلت کا کوئی گردھا ایسا نہیں جس میں میں آپ کا حکم سن کر آنکھیں بند
کر کے کو دنے کے لیے تیار نہ ہو جاؤں۔ اس محل میں رہتے ہوئے میرے لیے دو
ہی راستے ہیں۔ قاسم کے ساتھ شادی کر لوں یا اس دریا میں ڈوب جاؤں۔ اگر میری

یہ قربانی عالم اسلام کے بے کس بہنوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ لیکن خدا میرا گواہ ہے کہ میں صرف آپ کو چاہتی ہوں۔ اور جب تک زندہ رہوں گی آپ کو چاہتی رہوں گی۔ اگر یہ ایک جرم ہے تو میں مجرم ہوں۔ اگر اس جرم کی سزا موت ہے تو خدا کے لیے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجئے۔ مجھے اس پتھر کے ساتھ باندھ کر دریا میں دھکیل دیجئے۔ میں آپ کو اپنا قاضی بناتی ہوں۔ آپ سے اپنے متعلق قتوی پوچھتی ہوں اگر مفہیں نے اس کچڑ میں پانے والے کیڑوں کی بجائے اپنی محبت کے لیے ایک انسان تلاش کرنے میں کوئی جرم کیا ہے تو بتائیں میری سزا کیا ہے؟ آپ کہتے تھے کہ ترکستان کے میدان خطرناک ہیں لیکن کاش آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ عورت جسے چاہتی ہے اس کے ساتھ تیروں کی بارش میں بھی خوش رہ سکتی ہے لیکن اس کے بغیر اسے سونے کے محل بھی قید خانہ معلوم ہوتے ہیں۔

وہ روری تھی۔

طاہر یہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیا کے تمام عناصر کی قوت تنفس سٹ کر اس اڑکی کے وجود میں آگئی ہے۔ اس نے پہلی بار اس حسین چہرے کی طرف غور سے دیکھا جس میں ہزاروں بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ طاہر ضبط نہ کر سکا۔

صفیہ! صفیہ!! کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا، مجرم تم نہیں میں ہوں۔ قراقرم جانے سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ تم مجھے اس حد تک قابل توجہ سمجھتی ہو لیکن اس سفر۔
-----! طاہر یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

صفیہ جیسے گھرے پانی میں غوطہ لگا کر سانس لے رہی ہو۔ طاہر کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ پھر امید کا چھوٹا ہوا دامن پکڑ رہی تھی۔ بتائیں اس سفر میں کیا ہوا؟

بتائیتے۔

میں ایک اڑکی سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں۔

طاہر کا خیال تھا کہ وہ یہ الفاظ سننے کے بعد اس پر حقارت سے ایک زگاہ ڈالنے کے بعد بھاگ جائے گی لیکن اس جنبش تک نہ ہوتی۔ نفرت اور حقارت کی بجائے اس کے ہونتوں پر ایک دغیریب مسکراہٹ تھی۔ تلخ ہونے کی بجائے اس نے میٹھی اور دل کش آواز میں کہا تو تم مجھ سے نفرت نہیں کرتے؟
میں تم سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں۔

کیا ہو خوبصورت ہے؟

ہاں۔

یقیناً مجھ سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو گی؟
نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔

اگر آپ اس کے ساتھ شادی کا وعدہ نہ کر چکے ہوتے تو کیا پھر بھی میری التجاں میں ٹھکرایتے اور مجھے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتے؟

ہاں۔ موجودہ حالات میں فرض مجھے انکار پر مجبور کرتا۔ میں میدان میں تمہاری حفاظت کرنے کے بجائے اس شہر اور ملک کی چار دیواری پر پہرا دینا زیادہ آسان سمجھتا ہوں۔

اس کا نام کیا ہے؟

ثریا۔

کہاں ہے وہ؟
تلخ میں۔

اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی طرح بغداد میں بھی اس کی ایک بہن آپ
کو چاہتی ہے تو کیا وہ اسے اپنی حق تلفی سمجھے گی؟
نہیں وہ حسد سے بہت بلند ہے۔

ایک عورت دوسری عورت کی مجبوریاں سمجھ سکتی ہے۔ آپ اس کے ساتھ شادی
کر لیں۔ میں اس امید پر زندہ رہوں گی کہ میں کسی دن اس سے رحم کی بھیک مانگ
کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی اور ہم دونوں اپنے لیے آپ کا دامن کشادہ پائیں گی
۔ میں اس کی لوڈی بن کر بھی گزارہ کرلوں گی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ آپ
مجھ سے نفرت تو نہیں کرتے۔ یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہے۔ بہت بڑا سہارا
ہے۔ اس مضبوط چنان پر کھڑی ہو کر ساری دُنیا کے ساتھ لوسکتی ہوں۔ میں اب پچا،
چھی اور قاسم کو جواب دے سکتی ہوں۔ مجھے کسی کا خوف نہیں۔

ظاہر نے کہا۔ صفیہ! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ترکستان سے فارغ ہوتے ہی
یہاں آؤں گا۔ اس وقت تک میرے متعلق شاید تمہارے چچا کی رائے بھی بدل
جائے اور میں اس بہت بڑے انعام کے لیے دامن پھیلا سکوں میں تمہیں یقین دلاتا
ہوں کہ میری محبت کے آسمان پر ہر وقت دوستارے جگہ گاتے رہیں گے۔ میری
زگاہوں میں تمہارا اور ثریا کا درجہ ایک ہوگا۔

میں آپ کے دامن کی گرد بن کر بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔ بخ پر رہنے
والی بہن کو میر اسلام دیجئے اور اس کے پاس میری ایک انشائی لیتے جائیں۔ صفیہ نے
اپنی انگوٹھی اٹھا کر ظاہر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ میں آپ دونوں کا انتظار
کروں گی۔ اگر آپ نے دیراگائی تو شاید قدرت مجھے آپ کے پاس لے آئے۔ دنیا
کی کوئی خالص ایسی نہیں جسے محبت کی کشتی میں بیٹھ کر عبور نہ کیا جاسکے۔

پانی میں کشتی کے چپوؤں کی آہٹ پا کر دونوں دریا کی طرف متوجہ ہوئے۔
صفیہ نے کہا۔ شاید قاسم آرہا ہے۔

دونوں سمت کر درخت کے تنے کے ساتھ لگ گئے۔ کشتی کنارے پر آگئی۔
قاسم اور اس کے ساتھ دو اور آدمی کشتی سے اتر کر محل کے اندر چلے گئے۔

صفیہ نے کہا۔ وہ شاید مجھے یہ خبر دینے جا رہے ہیں کہ آپ آزاد ہو چکے ہیں۔
آپ جائیں۔ جب تک آپ کی کشتی نظر آتی رہے تھی۔ میں یہاں کھڑی دیکھتی
رہوں گی۔ لیکن ذرا ثہبری یہ سپہرے دار آرہے ہیں۔

سپہرے دار آئے اور تمہوری درے چبوترے پر کھڑے ہو کر باتیں کرتے
ہوئے چلے گئے۔ ان کی گفتگو کا موضوع ابھی تک صفیہ اور قاسم کی شادی تھا۔

آخر قاسم میں کیا نقش ہے جو صفیہ اس کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ وہ
اندھا ہے۔ لنگڑا ہے۔ کانا ہے۔ یہ تمہاری طرح بیقوف ہے؟

ارے کچھ بھی ہو، مجھے یقین ہے کہ صفیہ اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ اس
کے قابل کسی سلطنت کا ولی عہد ہی ہو سبتا ہے۔

صفیہ نے کہا۔ اب آپ چلیے!

ظاہر نے اتر کر ایک چھوٹی سی کشتی کا رسائکھوا اور اس پر بیٹھ کر چپو سن بھائے
ہوئے کہا۔ خدا حافظ صفیہ!

خدا حافظ! صفیہ نے کشتی کو پانی میں دھکیل دیا۔

جب تک کشتی اس کی زگاہوں سے او جھل نہ ہو گئی۔ وہ خدا حافظ! خدا حافظ!
کہتی گئی۔

صحیح کے وقت وزیر اعظم نے صفیہ کی تمام باتیں سننے کے بعد کہا۔ اگر یہ بات صحیح ثابت ہوئی تو میں تمہیں ایک بات کا یقین دلاتا ہوں اور وہ یہ کہ میری بھتیجی کی شادی میرے نالائق بیٹے کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ میں جانتا تھا کہ طاہر ایک مخلص نوجوان ہے۔ میں اس کی گرفتاری کے خلاف تھا۔ اسی لیے میں اسے اور اس کے دوستوں کو بھاگ جانے کا موقع دیتا رہا۔ مجھے یہ پیغام بھیج کر اس کے ساتھیوں نے اپنے خلوص کا دوسرا اثبوت دیا ہے۔ ورنہ بے خبری میں شاید وحید الدین کے بعد میری باری آتی۔ مجھے اس بدمعاش نے کہا تھا کہ وہ خلیفہ کے حکم سے آج اسے قید سے فرار ہونے کا موقع دے گا۔ میں ابھی جاتا ہوں۔

صفیہ اپنے کمرے میں پہنچی تو قاسم وہاں سکینہ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس نے صفیہ کو دیکھتے ہی کہا۔ صفیہ! میں ایک بہت بڑی خبر لے کر آیا ہوں۔ مہلب نے ابھی مجھے اطلاع دی ہے کہ طاہر قید خانے سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے اس سے تفصیلات نہیں پوچھیں۔ میں یہ خبر سنتے ہی تمہارے پاس آیا تھا۔ میں ابھی اس کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ نیچے دریا کے سامنے برآمدے میں بیٹھا ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں سارے واقعات بتاؤں گا۔

سکینہ نے کہا۔ شما ہی قید خانے سے طاہر کے بھاگ نکلنے کی تفصیل بہت دلچسپ ہو گی۔ چلو صفیہ ہم کمرے کے پردے کے پچھے بیٹھ کر سنیں کیوں قاسم! ہمیں تمہاری باتیں سننے کی اجازت ہے؟

لیکن اس شرط پر کہ تم جو کچھ سنو وہ کسی سے نہ کہو۔ بات یہ ہے کہ اسے بھاگنے کا موقع دینے میں میرے چند دوستوں کی کوششوں کا داخل ہے۔
واہ، ہم کوئی حق ہیں!

قاسم کمرے سے باہر نکل گیا۔

سینہ نے صفیہ سے کہا۔ چلو صفیہ! مجھے اس کے بھاگ نکلنے سے بہت دچپی ہے۔

صفیہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی جان چکی تھی لیکن کچھ سوچ کرو وہ سینہ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی۔

دریا کے کنارے کمرے میں پہنچ کرو وہ دروازے کے پردے کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ مہلب یہ کہہ رہا تھا۔ اب مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے کسی کو بتا دیا تو ہماری شامت آجائے گی۔

قاسم نے کہا۔ نہیں وہ آپ جیسے محسن کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا۔

مہلب نے کہا۔ اس کے محسن تو تم ہو۔ میں نے سب کچھ تمہارے لیے کیا ہے اور میں نے اسے بتا بھی دیا تھا کہ تمہیں صرف قاسم کی سفارش پر بھاگنے کا موقع دیا گیا ہے۔

لیکن وہ انکا کیسے؟

کیا تم نے مجھے جو پانچ سو دینار دیے تھے وہ قید خانے کے پانچ پرے داروں کو خریدنے کے لیے کافی نہ تھے؟

قاسم نے پوچھا۔ آپ نے اسے کہاں پہنچایا؟

مہلب نے جواب دیا قید خانے سے باہر اسے چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ یقیناً اپنے دوستوں کے پاس گیا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد بغداد چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے دو دوستوں کے سوا کسی سے نہیں ملے گا اور رات کے وقت ہی بغداد چھوڑ کر چلا جائے گا!

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہم اس کے متعلق کچھ نہیں سئیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ حکومت کے بعض عہدے دار اس سے بدلن ہو گئے ورنہ وہ ایک کار آمد نوجوان تھا۔ ہر حال متعلق وہ بُری رائے لے کر نہیں گیا۔

صفیہ کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے چہرے پر نقاب ڈال کر دروازے کا پردہ اٹھایا اور برآمدے میں داخل ہو کر بولی۔ تم دونوں کس کو بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔ یہ خبر اب آدھے شہر میں مشہور ہو چکی ہے کہ ماہی گیروں نے آدمی رات کے بعد دریا سے ایک لاش نکالی ہے اور وہ لاش طاہر کی ہے۔

قاسم اور مہلب کے چہروں پر ہوا یاں اڑ نے لگیں اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صفیہ کی طرف دیکھنے لگے۔ صفیہ نے کہا۔ اور پچا جان تیرے پہر یہ سنتے ہی خود قید خانے میں تحقیقات کے لیے چلے گئے تھے۔ وہاں ایک اور لاش ملی ہے اور اسکے مئے میں زہر آلو دپنیر تھا۔ حید الدین سابق وزیر خارجہ کی لاش۔ اور جانتے ہو کہ پچا کو دارونگ نے کیا بتایا ہے؟ رات کے وقت بغداد کے ایک بہت بڑے غدار کے حکم سے دو آدمیوں کو زہر دیا گیا تھا۔ ایک وہ جس کے متعلق تم ابھی با تیں کر رہے تھے۔ جس کی لاش بغداد کے کسی چورا ہے پر انتقام کے لیے پکار رہی ہے۔ دوسرا وہ جس کے قید ہونے کا علم تمہارے دوست اور اس کے چند ساتھیوں کے سوا کسی کو نہ تھا۔

مہلب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ صفیہ نے چلا کر کہا۔ زمین تمہارے جیسے بد کردار کو کوئی جگہ نہیں دے گی۔ شہر میں تمہاری تلاش جاری ہے۔ اس محل کے ہر دروازے پر سپاہی کھڑے ہیں۔ بغداد کا بچہ بچہ تمہاری بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار ہے۔

قاسم نے صفیہ کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ صفیہ! کیا کہہ رہی ہو۔ ہوش کی بات کرو۔

مجھے چھوڑ دو۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ تم کمینے اور مکار ہو۔

قاسم نے اس کے منہ پر ایک چپت رسید کی اور اسے گھسیتا ہوا اندر لے گیا۔ وہ چلائی۔ بزدل آدمی عورتوں کے ساتھ زور آزمائی کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔

سکینہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ صفیہ تمہیں کیا ہو گیا۔ قاسم چھوڑ دو اسے آج اس کا دماغ ٹھیک نہیں۔

صفیہ نے لال پیلی ہو کر کہا۔ آخر اس کی بہن نکیں نا۔ لگاؤ تم بھی ایک چپت میرے منہ پر!

سکینہ نے کہا۔ صفیہ! خدا کے لیے زبان بند کرو۔ وہ معز ز آدمی کیا خیال کرے گا۔

صفیہ نے کہا۔ چور! ڈاکو! قاتل! خدا لے لیے ساہیوں کو بلاو۔ پچا جان اس کی تلاش میں ہیں۔ وہ بھاگ نہ جائے!

قاسم اسے کمرے سے نکال کر کھینچتا ہوا محل کے دوسرا سرے پر لے گیا۔ خوبجہ سرا، لوٹدیوں اور نوکروں کو جمع ہوتے دیکھ کر صفیہ خاموش ہو گئی اور پھر زم ہو کر بولی۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ میں تمہیں جھوٹ کی سزا دینا چاہتی تھی لیکن اپنے دوست کو پچا جان کے آنے تک ضرور رکو!

قاسم پریشانی کی حالت میں مہلب سے معدرات کے لیے موزوں الفاظ سوچتا ہوا لوٹا لیکن مہلب وہاں موجود نہ تھا۔ ایک کشتی دریا کے دوسرے کنارے کی طرف تیزی سے جا رہی تھی اور وہ اس پر سوار تھا۔

دوپہر کے وقت وزیر اعظم کے حکم سے شہر میں یہ منادی ہو رہی تھی کہ مہلب کا پتہ دینے والے کو پانچ ہزار اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔

عصر کے وقت جب قاسم اپنے باپ سے طویل ملاقات کر کے باہر نکلا تو اس کا چہرہ اتر اہوا تھا اور سکینہ صفیہ سے کہہ رہی تھی۔ تم نے سُنا۔ ابا جان نے قاسم سے کہا کہ جب تک میں بغداد کا وزیر اعظم ہوں، تمہارا بیہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ وہ کل مصر روانہ ہو جائے گا۔ ابا جان نے مصر کے سلطان کو لکھا ہے کہ اسے فوج میں کوئی معمولی عہدہ دے دیا جائے لیکن ان کا غصہ اتر جائے گا تو وہ اسے بلا لیں گے۔

اگلے دن شہر میں یہ خبر مشہور تھی کہ رات کے وقت ایک ہزار سوار تاتاریوں کے خلاف خوارزم شام کا ساتھ دینے بغداد پر چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

شیرخوارزم

جلال الدین نے افغانستان کی شمالی سرحد سے مرد کے گورز کو اطلاع بھیجی کہ وہ کم از کم چار ہفتے مرو کی حفاظت کرے اور اس عرصے میں وہ بلخ، ہرات اور دوسرے شہروں سے نئی فوج منظم کر کے اس کی مدد کے لیے پہنچ جائے گا۔

مرو کی حفاظت کے لیے باقاعدہ فوج اگرچہ کم تھی لیکن پناہ گزیوں کی لاکھوں تلواریں موجود تھیں۔ وہ یہ کہ فیصلہ کر چکے تھے کہ یہاں بخارا، سمرقند اور دوسرے شہروں کی نسلطیوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ عورتیں تیراندازی کی مشق کر رہی تھیں، بچے مکانوں کی چھٹوں پر پتھر جمع کر رہے تھے۔ غرض مرو کا ہرگھرا ایک قلعہ تھا اور عوام کو امید تھی کہ وہ نہ صرف ایک طویل مدت تک شہر کی حفاظت کر سکیں گے بلکہ تاتاریوں سے گزشتہ تمام مظالم کا بدلہ لے سکیں گے۔

مسجد میں ہر نماز کے بعد لگو خطبہ جہاد سنتے اور مرو کی حفاظت کے لیے اپنے ڈون کا آخری قطرہ تک بہادری نے کافیصہ کرتے۔

ایک صبح جب مرو کی مساجد میں موذن اہل شہر کو نماز کے لیے بیارہا تھے۔ تاتاریوں کی مذہبی دل افواج شہر کی فصیل کے سامنے نمودار ہوئیں۔ آن کی آن میں شہر پناہ پر تیرانداز کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے اور وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ تاتاری افواج کی قیادت چنگیز خان کے چھوٹے بیٹے تولانی کے سپردھی چنگیز خان کی نگاہ میں تولانی اپنی بہادری سے زیادہ مکاری اور دغabaزی کی بدولت بہت عزت حاصل کر چکا تھا لیکن مرو کی فصیل پر انسانوں کے بے پناہ ہجوم اُسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھا۔

تولانی مذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ شہر کے چند غداروں نے جو اس کی آمد

کی خبر پاتے ہی اس کے ساتھ آئے تھے۔ یہ خبر دی کہ فصیل پر مردوں کی بجائے عورتیں زیادہ ہیں، تولائی نے یہ سنتے ہی فوج کو طوفانی حملہ کا حکم دیا۔ لیکن شہر پناہ سے تیروں اور پتھروں کی بارش نے تاتاریوں کے دانٹ کھٹے کر دیے۔ فصیل کے نیچے ہزاروں تاتاری ڈھیر ہو گئے تولائی نے یہ صورت دیکھی تو فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور شہر سے کچھ فاصلے پر پڑا اور ڈال دیا۔ پانچ دن تک تولائی کو شہر پر قبضہ کرنے کی صورت نظر نہ آئی۔ طاقت کے استعمال سے مایوس ہو کر اس نے حرب نادت عیاری کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا بھیجا کہ ہم بعض باتوں کے متعلق گورنر سے تشغیل حاصل کرنے کے بعد لوٹ جائیں گے۔

چند دو راندیش لوگ گورنر کو تولائی کے پاس بھینجئے کے خلاف تھے لیکن گورنر نے انہیں سمجھایا کہ میں اسکے دھوکے میں نہیں آ سکتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ مجھے کرادے گا لیکن میرے واپس نہ آنے پر ان لوگوں کی بھی تسلی ہو جائے گی جواب تک مقابلہ کرنے کی بجائے تاتاریوں سے مصالحت کی توقع رکھتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ جب تک جلال الدین کی فوج نہ آ جائیں، ہم اس کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری رکھیں۔

تولائی نے گورنر کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا اور اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ میرے دل میں بہادروں کے لیے عزت ہے۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو تولائی نے کہا۔ ہم صرف یہ وعدہ لے کر کہ آپ کی افواج ہمارا پیچھا نہیں کریں گی۔ واپس جانے کے لیے تیار ہیں اور اس کے ساتھ ہم یہ بھی وعدہ کرنے کے لیے تیار ہیں کہ جلال الدین کے ساتھ ہمارے تعلقات خواہ کچھ ہوں، ہم دوبارہ مرو پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس کے عوض آپ کو

معمولی توان ادا کرنا پڑے گا۔

گورنر ہر قیمت پر مہلت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا: ہمارا خزانہ اگر چہ خالی ہے۔ تاہم میں اہل شہر سے ایک خاصی رقم جمع کر کے آپ کو دے سکوں گا۔

لیکن آپ کا یہ فیصلہ تمام اہل شہر کے لیے قابل قبول ہوگا؟
میں شہر کا گورنر ہوں۔

یہ صحیح ہے لیکن آپ توان ادا کرنے کی ذمہ داری تنہا اپنے سرکیوں لیتے ہیں؟
کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ شہر کے باائز لوگوں کو یہاں بلا لیں۔ اگر ان کی موجودگی میں معافیہ لکھا جائے تو ان میں سے کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ ان کے نام ایک حاکم لکھ جیں۔ میرے خیال میں ہم بہت جلد کسی فیصلے پر پہنچ جائیں گے۔

مرو کے گورنر نے شہر کے دس معززین کے نام ایک مراسلہ لکھ کر بھیج دیا۔

گورنر کا مراسلہ پڑھ کر وہ بہت سے لوگوں کے مشورے کے خلاف توانی کے پاس چلے گئے۔ تو لانی ان کے ساتھ بھی خندہ پیشانی سے پیش آیا لیکن توان کی رقم کے متعلق ان سب نے کہا اہل شہر سے مشورہ لیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

تو لانی نے کہا۔ مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شہر خزانہ خالی ہے۔ مجھے آپ کی مجبوری کا احساس ہے۔ آپ جائیں، کل پھر ملاقات ہوگی۔ بہتر ہو گا کہ کل آپ اپنے ساتھ کے ہر گروہ کا نمائندہ لیتے آئیں۔

تاتاریوں نے گورنر اور اس کے ساتھیوں کو عزت و احترام کے ساتھ شہر پناہ کے پاس پہنچا دیا۔ رات کے وقت شہر میں اس خبر پر خوشیاں منانی جا رہی تھیں کہ کل صلح ہو جائے گی اور تاتاری چلے جائیں گے لیکن پناہ گزین جوتا تاریوں کے ہر

حر بے سے واقف تھے، اہل شہر کو ہوشیار رہنے کی تاکید کر رہے تھے۔ شہر کے معززین کو بھی تاتاریوں کے متعلق خوش نہیں تھی لیکن گورنر اس بات پر مصروف تھا کہ ہمیں صلح کی بات چیت جاری رکھ کر وقت لینا چاہیے۔ اگلے دن قریباً چالیس آدمی گورنر کے ساتھ تو لانی کے پاس چلے گئے۔

دوپہر کے وقت تاتاری ان میں سے ہر شخص کو سخت جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ان سے شہر کے دوسرے مقتدر لوگوں کے نام خطوط لکھوادار ہے تھے۔ یہ خط شہر کے غداروں کی مدد سے ان کے پاس پہنچائے گے اور عصر کے قریب ستر اور آدمی تو لانی کے کمپ میں آگئے۔

شام کے وقت تاتاریوں نے گورنر، سپہ سالار اور ان کے تین ساتھیوں کے سوا سب کو قتل کر دیا۔

رات کے وقت قریباً ایک سو دس تاتاریوں نے گورنر کے ساتھیوں کا لباس پہن لیا اور گورنر اور سپہ سالار اور ان کے تین ساتھیوں کو خبر دکھا کر آگے آگے شہر کے دروازے کی طرف چلنے پر مجبور کر دیا۔ آگے آگے شہر کے چند غدار بھی تھے جو گورنر سے پندرہ میں قدم آگئے عربی اور فارسی زبان میں بلند آواز سے با تیس کرتے جاتے تھے۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر انہوں نے فصیل پر پہرے داروں کو ضلع کی مبارک باد دیتے ہوئے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔

دروازے کے پہرے داروں میں سے ایک نے روزن سے سر نکال کر باہر جھانڈا اور دروازہ کھول دیا۔ اندر بے شمار لوگ جمع تھے۔ دروازہ کھلتے ہی ایک آدمی نے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔ بہت دیر لگائی آپ نے؟ کیا خبر لائے؟ گورنر کہاں ہے؟ اور پھر آگے بڑھ کر تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ تم

کون ہو؟ گورنر کہاں ہے؟

وہ آرہے ہیں۔ غداروں میں سے ایک نے پیچھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اتقی دیر میں پانچ چھا اور آدمی باہر نکل آئے۔

گورنر بھاگ کر آگے بڑھا اور چلا یا۔ دروازہ بند کرو۔ تا تاری آگئے۔

جلدی! ایک تا تاری نے تلوار ماری اور اسے زمین پر لٹا دیا۔ تین چار اور
آوازیں یہ کہتے ہوئے سنائی دیں۔ دروازہ بند کرو۔ تا تاری حملہ کرنے والے ہیں۔
لیکن تا تاریوں نے انہیں بھی موت کی گھاٹ اٹا رہا۔ ایک لمحے کے لیے پھریدار
ششدھور کر رہ گئے اور جب تک وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوئے مسلمانوں کے
بھیں میں تا تاریوں کا گروہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا اور پھرے داروں نے
یہ سمجھ کر تا تاری عقب سے ارکانِ وفاد پر تیر بر سار ہے ہیں انہیں اندر گھنسے کا موقع
دے دیا۔ مشعلوں کی روشنی میں غیر مانوس صورتیں دیکھ کر وہ چلانے لیکن تا تاریوں
نے آن کی آن میں پچاس سالھ آدمی موت کی گھاٹ اٹا رہیے۔

چند تا تاری جو اندر داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فصیل کے پھرروں
اور تیرروں کا شکار ہوئے لیکن باقی پھرے داروں کی بڑھتی ہوتی تعداد کے ساتھ تنقیح
ازماں کرتے رہے۔

اچانک باہر بے شمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آہٹ سنائی دی۔ پھریداروں نے
دروازے کے اندر لڑنے والوں کا صغایا کر کے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن
اتقی دیر میں تا تاری سواروں کا ایک دستہ مار دھاڑ کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

تمہوڑی دیر بعد اہل شہر مرد کے بازاروں میں پھرروں اور تیرروں کی بارش کے
باوجود دشمن کے ان گنت سواروں کو گشت لگا تا دیکھ رہے تھے۔

آدھی رات تک شہر میں کہرام مچا رہا۔ تیرے پہر تاتاریوں نے شہر کے چند اور دروازوں پر قبضہ کر لیا اور بہت سے محلوں میں آگ لگادی گئی۔ صبح تک یہ آگے ایک وسیع رقبے میں پھیل چکی تھی۔ وہ لوگ جو آگ سے بچنے کے لیے مکانات سے باہر نکلتے۔ تاتاریوں کی تلواروں کا شکار ہوتے۔ پانچ دن تک شہر میں قیامت برپا رہی۔

چھٹے دن تاتاری مرد کے دروازوں پر اپنی فتح کی یادگاریں یعنی انسانی کھوپڑیوں کے مینار گزشتہ تمام میناروں سے بلند تھے لیکن تاتاریوں کی لاشیں گنخے کے بعد تو لاٹی نے یہ کہا۔ ہم نے کسی بڑی سے بڑی جنگ میں بھی اس قدر نقصان نہیں اٹھایا۔ اور اس نقصان کی تلافی اس نے یوں کی کہ مرد میں ایک بہت بڑی چتا تیار کرائی۔ دو دوقیدیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رسیوں سے جکڑ دیا جاتا پھر یہے بعد دیگرے ان کے ہاتھ پاؤں کا ٹوٹ جاتے۔ وہ تڑپتے اور تاتاری ناپتے اور قبیلے لگاتے ہوئے انہیں آگ میں دھکیل دیتے۔ کھوپڑیوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے حامی عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے۔ ایک حاملہ عورت نے چتا کے سامنے گر کر بچہ ہن دیا اور تو لاٹی نے کہا۔ دیکھو۔ دشمن کی عورتیں ہمارے مقابلے کے لیے ایک نئی فوج تیار کر رہی ہیں۔

ایک تاتاری نے آگے بڑھ کر بچے کے سر پر پاؤں رکھ کر مسلمان کی کوشش کی لیکن مامتا موت کے سامنے بھی خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے لڑکے کو پکڑ کر کلیج سے لگا لیا۔ اسے بچے سمیت آگ میں دھکیل دیا گیا۔ وہ آخری دم تک اپنے جگر کے ٹکڑے کو بازوؤں میں چھپا چھپا کر آگے کے شعلوں سے بچانے کی کوشش کرتی رہی۔

ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بہن کی بیحر متی

برداشت نہ کر سکا۔ وہ دو تاری افسروں پر ٹوٹ پڑا اور ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ مقتول تولائی کے اپنے قبیلے کا آدمی تھا۔ کمن لڑکے کو تولائی کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنگیز خان کی طرح تولائی کو بھی اپنے دشمن کی کمزوریاں اور خوبیاں پر کھنے کی عادت تھی۔ اس نے لڑکے کو قریب بلاؤ کر کہا۔ تم جانتے ہو ایک تاری افسر کے قتل کی سزا کیا ہے؟

لڑکے نے جواب دیا۔ میں جانتا ہوں، تمہاری عدالت میں مجرم اور بے گناہ ایک ہی چکی میں پسیے جاتے ہیں۔

ہم اگر تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں تو تم بڑے ہو کر ایک سپاہی بننے کے لیے تیار ہو جاؤ گے؟

تم ذلیل ہو۔ میں اس جگہ مرنا قبول کروں گا۔

موت ایک تکلیف دہ چیز ہے!

لیکن مظلوم کے لیئے نہیں۔ ظالم کے لیے!

تولائی خان نے کہا۔ اسے میرے سامنے پھانسی پر لٹکاؤ۔ تم جانتے ہو پھانسی کتنی تکلیف دہ چیز ہے؟

بہادر لڑکے نے جواب دیا۔ تم مجھے پھانسی دے سکتے ہو۔ میری قوم کو پھانسی نہیں دے سکتے۔ تمہارے نیزے ٹوٹ جائیں گے۔ تمہاری تلواریں کند ہو جائیں گی۔ تمہارے بازو شل ہو جائیں گے لیکن میری قوم کی رگوں میں ڈون شہادت دوڑتا رہے گا۔

تولائی کے اشارے سے لڑکے کو بدترین جسمانی اذیتیں دے کر ذبح کیا گیا۔

اس شام تولائی خان اپنے چند مشیروں سے کہہ رہا تھا۔ ہمیں ایک خطرناک دشمن سے

پالا پڑا ہے۔ جس قوم کی مائیں اس قسم کے بچ جن سکتی ہیں وہ دیر تک کسی کی غلام نہیں رہ سکتی۔ میں اس قسم کے بچوں کو جلال الدین سے کم خطرناک نہیں سمجھتا!

مرو کے ہر گھر کی تلاشی لی گئی۔ مکانوں کے زمین دوز کروں میں چھپے ہوئے لوگوں کو نکال کر قتل کیا گیا تو لانی کو شہر کے غداروں نے دولت مندوں کی فہرست تیار کر دی۔ انہوں نے زندگی سے مایوس ہو کر تمام خفیہ خفیہ خزانے تا تاریوں کے سپرد کر دیے لیکن تا تاریوں کی تسلی نہ ہوتی۔ زیادہ مال برآمد کرنے کی کوشش میں تا تاریوں نے ان سب کو طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینے کے بعد ہلاک کر دیا اور اس کے بعد ان کے مکانوں کی دیواریں کھدو اکر دیکھی گئیں۔

مسجد، درس گاہوں اور کتب خانوں کو آگ لگادی گئی۔ صرف چار سو آدمیوں کو جو نون تعمیر اور اسلامیہ سازی کے ماہر تھے۔ تا تاری زندہ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے

کوچ سے پہلے کسی نے تو لانی کو بتایا کہ ابھی تک شہر میں کہیں کہیں زمین دوز مقامات پر مرداوے عورتیں چھپے ہوئے ہیں۔ تو لانی نے دو ہزار سپاہیوں کو مرد میں ٹھبرا کر اچھی طرح دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا اور ان سپاہیوں کے افسروں سے کہا۔ میں خانِ اعظم کو پیغام بھیج چکا ہوں کہ مرد سے ان چند آدمیوں کے سوا جنہیں ہم کا رآمد سمجھ کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں، دشمن کا ایک فرد بھی جان بچا کر بھاگ سکا۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے الفاظ غلط ثابت ہوں۔ اس لیے جب تک تمہاری تسلی نہیں ہو جاتی، تم تلاش جاری رکھو۔

ان سپاہیوں نے ایک مسجد کا موذن کسی زمین دوز حجرے سے گرفتار کر لیا اور اسے اذیتیں دے کر مسجد میں اذان دینے کے لیے مجبور کیا۔

اذان سن کر مسجد کے قریب و جوار کی زمین دوزپناہ گاہوں میں چھپے ہوئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ تاتاری جا چکے ہیں۔ چنانچہ وہ باہر نکل آئے اور تاتاریوں نے انہیں قتل کر دالا۔

اسی طرح وہ ہر محلے میں اذان دلواتے اور باہر نکلنے والوں کو قتل کر دالتے۔ اس کے بعد گلی سڑی لاشوں کے تعفن سے شہر کی ہوا اس قدر مسموم ہو گئی کہ تاتاری وہاں کسی انسان کا زندہ رہنا ناممکن سمجھ کر چل دیے۔

(۲)

بغداد سے فرار ہو کر طاہر اور اس کے ساتھیوں نے مرو کا رُخ کیا۔ راستے میں ایران کے شہروں کے باشندے جو ایک مدت سے اپنی شکست کا اعتراض کر رکھے تھے، اس کی روح پر و تقریروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہر ٹی منزل پر رضا کاروں کی جماعتیں ان کے ساتھ شامل ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ مرو سے سوکوں کے فاصلے پر طاہر نے مرو کی تباہی کی خبر سُنی اور جلال الدین کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد جنوب مشرق کی طرف کوچ کیا۔

ایک دوپہر رضا کاروں کی یہ فوج مشرق کی دُشوار گزار پیاروں میں سے گور رہی تھی۔ ہراول دستوں کی قیادت عبدالعزیز کے سپرد تھی اور اس کی رہنمائی کے لیے ایک ایرانی نوجوان اس کا ہم رکاب تھا۔

ایک تنگ گھائی سے مر تے ہوئے ایرانی نوجوان نے ایک ہاتھ سے ٹھہر نے کا اشارہ کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے نیچے واڈی کی طرف اشارہ کیا۔ عبدالعزیز نیچے دیکھتے ہی بلند آواز میں پکارا۔ ہوشیار!

سالاروں نے آن کی آن میں یہ پیغام فوج کے آخری سپاہی تک پہنچا دیا۔
طاہر اور عبد الملک قلب لشکر سے نکل کر گھائی کے موڑ پر پہنچے۔ کوئی ایک کوس چوڑی
اور تین کوس لمبی وادی کے درمیان دو افواج میں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ ایک
ترک نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ تاتاری مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر
چکے ہیں۔ وہ دیکھیے، عقب کی پیاری سے تاتاریوں کی مزید فوج اُتر رہی ہے۔
مسلمانوں کی تعداد پانچ چھ ہزار سے زیادہ نہیں لیکن تاتاری سے تین چار گنا زیادہ
ہیں اور عقب کے پیاروں سے مزید فوج میدان میں لارہے ہیں۔ میرے خیال
میں یہ تاتاریوں کی بڑی فوج کے ہراول دستے ہیں اور اس مختصر سی فوج کو اس طرح
لڑانے والا سلطان جلال الدین کے سوا اور کوئی نہیں۔

طاہر نے کہا۔ تاتاریوں کا گھیران کے گرد تیک ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک اگر
زیادہ فوج پہنچ گئی تو ان کا نجح نکلنا ممکن ہو جائے گا۔
ترک نے کہا۔ جلال الدین کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں لیکن اس مرتبہ وہ
بری طرح حزنے میں آچکا ہے۔

طاہر کے ساتھی اس کی ہدایت کے مطابق چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر
مختلف راستوں سے نیچے اترے اور وردی کے سرے پر ایک چھوٹے سے ٹیکے کے
عقب میں جمع ہو گئے۔ میدان میں بعض تاتاریوں نے انہیں دیکھ بھی لیا لیکن دُور
سے انہوں نے یہی سمجھا کہ وہ ان کی کمک کے طوفانی دستے ہیں۔

عین اس وقت جب کہ تاتاری سخت ترین حملہ کر چکے تھے، ان کا ایک سالار
تازہ دستوں کو ہدایات دینے کے لیے میدان سے نکل کر گھوڑا بھگتا ہوا اس ٹیکے کی
طرف بڑھا لیکن قریب پہنچ کر اس نے اپنی آواز کے جواب میں اللہ اکبر کا اندرہ سننا۔

اس کے ساتھ ہی ایک تیراں کے سینے میں لگا۔ جپسی ہوتی فوج دو حصوں میں تقسیم ہو کر ٹیکے کے گرد چکر لگاتی ہوتی میدان میں آگئی۔ تاتاریوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے تین ہزار سواروں کے نیزے ان کے سینوں تک پہنچ چکے تھے۔

تاتاریوں کے پاؤں ایک بارا کھڑے اور پھر انہیں سنبھالنے کی ملہت نہیں۔

اس سے قبل جلال الدین کوئی چالیس آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے موت کی نیند سلاچکا تھا۔ اس کے اعضا شل ہو چکے تھے۔ اپنی فتح کا یقین ہوتے ہی وہ میدان سے ایک طرف ہٹ کر گھوڑے سے اُتر اور ایک چھوٹی سے چٹان پر چڑھ کر ایک پتھر کے سامنے میں بیٹھ گیا۔

ہانپتے ہوئے اس نے اپنا خود اٹا رکرا ایک طرف رکھ دیا۔ رومال کے ساتھ چہرے کا پسینہ پوچھا اور مان اٹھا کر بھاگتے ہوئے تاتاریوں پو تیر بر سانے لگا۔ وہ حیران تھا کہ اس کے نئے مددگار کون ہیں!

تاتاری میدان میں دس ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ سپاہی شہیدوں کو دفن کرنے اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئے۔

طاہر نے گھوڑے سے اُتر کر خود اٹا رکرا ایک ترک سے سوال کیا: سلطان کہاں ہے؟

اس کے جواب میں فوج کا ایک افسر گھوڑے سے اتر کر اس کے ساتھ پٹ گیا۔ طاہر! طاہر!! آخر تم آگئے میں حیران تھا کہ خدا نے آج ہمارے لیے یہ مددگار کہاں سے بھیج دیے۔ تم سے مجھے یہی توقع تھی۔

تمور ملک؟ طاہر نے خود کے اندر سے جھانکنے والی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

ہاں میں! اس نے خود اتار کر ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ تیمور ملک کا نام سن کر طاہر کے ساتھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ طاہر نے عبدالعزیز، عبدالمالک، مبارک اور اپنی فوج کے افسروں کا تعارف کرایا۔

تیمور ملک نے گرم جوشی سے ان کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ”میں آپ کے ساتھیوں کا خیر مقدم کرتا ہوں“

عبدالعزیز نے سوال کیا۔ سلطان کہاں ہے؟

سلطان کہاں ہے؟ یہ تیمور ملک نے چند افسروں کی طرف دیکھتے ہوئے یہ سوال دہرایا۔

سلطان کہاں ہے؟ وہ ایک دوسرے سے حیران ہو کر پوچھ رہے تھے۔

ایک افسر نے چنان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اور پر ایک پتھر کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

آئینے۔ میں آپ کو ان سے ملوata ہوں!

طاہر کے چند دوست اور سلطان کی فوج کے چند افسر چنان پر چڑھے۔

سلطان ایک پتھر پر سر کھکھل کر گہری نیند سورہاتھا۔

تیمور ملک نے اس کا بازو پکڑ کر جگانے کی کوشش کی لیکن طاہر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روک دیا۔ نہیں ایسے سپاہی کی نیند بہت قیمتی ہے۔ خدا معلوم کتنے دنوں کے بعد سوئے ہیں۔

تیمور ملک نے کہا۔ تو لانی خان کی فوج یہاں سے صرف چار منازل کے فاصلے پر ہے۔ ہمیں جلدی کوچ کرنا ہے۔

عالیٰ جاہ! اُٹھیے۔! تیمور ملک نے اس کا بازو پکڑ کر آہستہ سے ہلا تے ہوئے کہا

جلال الدین نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تیمور! کبھی تو مجھے آرام کرنے دیا کرو۔

عالیٰ جاہ! تو لائی خان کا شکر ہم سے زیادہ دور نہیں۔

تو تمہارے خیال میں مجھے اس بات کا خیال نہیں تھا۔ مجھے کئی دنوں کے بعد ایک پیر آرام کے لیے ملا تھا۔ وہ بھی تم نے ضائع کر دیا۔ مجھے پانی پلاو۔

ایک افسر نے اپنی چھاگل پیش کی۔ جلال الدین پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اٹھ کھڑا ہو گیا۔ ظاہراً اور اس کے ساتھیوں نے اس سے زیادہ باز عرب شخصیت پہنچی نہ دیکھی تھی۔ وہ سچ پچ ایک چنان تھا۔

سلطان نے پوچھا۔ یہ فوج کہاں سے آئی؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ بغداد سے!

بغداد سے؟ تو خدا نے میری دُعا میں سن لیں۔ اب ہم دنیا کی ہر طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر بغداد کے لوگ بیدار ہو گئے تو مجھے یقین ہے کہ تمام عالم اسلام جاگ اٹھے گا اور ہم زمین کے آخری کون نے تک اس جنگی قوم کا مقابلہ کر سکیں گے۔

سلطان آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

اس فوج کا سالار کون ہے؟

تیمور ملک نے ظاہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ان کا نام ظاہر بن یوسف ہے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے قوqند سے فرار ہوتے وقت میری جان بچانی تھی۔ میں آپ کو بتایا تھا کہ بغداد میں ایک نوجوان ہمارے لیے بہت کچھ کر رہا ہے۔ یہ

وہی ہے!

جلال الدین نے طاہر کے ساتھ نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ عقابوں کی دنیا میں آرام نہیں نہیں ہوتے۔ میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ کو ایسی چٹانوں پر سونے کا تادی ہونا پڑے گا۔ میں اس جگہ بیٹھ کر آپ کی اڑائی کا ڈھنگ دیکھ رہا تھا۔ آپ کے بعض سپاہیوں کو سخت تربیت کی ضرورت ہے۔ چند جانیں صرب بے فائدہ جوش کی وجہ سے ضائع ہوئیں۔ ایک نوجوان سے متاثر ہوا ہوں۔ وہ بالکل ایک عرب کی طرح اٹھ رہا تھا۔ اس کا گھوڑا آدھا سفید اور آدھا سیاہ تھا اور پچھلی ٹانگ میں تیر لانے کی وجہ سے وہ گھوڑا گھوڑا لنگڑا بھی رہا تھا۔ میں اسے شباباش دینا چاہتا ہوں۔

تیمور ملک نے کہا۔ وہ یہی ہیں۔ میں ان کا گھوڑا دیکھ چکا ہوں۔

جلال الدین نے کہا۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں اور اپنے تمیں بہترین گھوڑوں میں سے ایک آج تمہیں دوں گا۔

تیمور ملک نے کہا۔ طاہر! تم کتنے خوش نصیب ہو۔ سلطان صلاح الدین نے تمہارے باپ کو اپنی تلوار دی تھی اور خوارزم کے محلہ داعظم نے تمہیں اپنا گھوڑا دیا ہے۔

جلال الدین نے کہا۔ سلطان الدین ایوبی کی تکوڑا؟

ہاں! ان کے باپ کو صلاح الدین نے بہادری کے سلے میں اپنی تلوار دی تھی۔ کیوں طاہر ہو تلوار اپنے ساتھ لائے ہو یا اس دفعہ بھی بغداد میں چھوڑ آئے ہو؟ طاہر نے جواب دیا۔ وہ تلوار میرے پاس ہے اور میں نے آج اسے پہلی بار استعمال کیا ہے۔

جلال الدین نے کہا۔ میں دیکھ سئتا ہوں؟

طاہر نے تلوار زکال کر پیش کر دی۔ سلطان نے دست پر صلاح الدین ایوبی کا نام دیکھ کر تلوار کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ خوش نصیب ہے وہ بیٹا جس کے باپ نے اتنا بڑا انعام حاصل کیا تھا۔ کاش میرا باپ بھی خوارزم کا شہنشاہ ہونے کے بجائے اس اولوالعزم مجاہد کی فوج کا ایک سپاہی ہوتا اور میں بھی تمہاری طرح اس پر فخر کر سئتا۔

طاہر نے کہا۔ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں یہ تخفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

شکریہ! لیکن میں اس کا مستحق نہیں اور میں آج یہ دیکھ چکا ہوں کہ تم اس کا حق ادا کرنا جانتے ہو۔ سلطان نے یہ کہتے ہوئے تلوار واپس کر دی۔

(۳)

فوج کوچ کے لیے تیار ہوئی سلطان نے کہا۔ طاہر! تم بغداد کی طرف ہماری رہمنانی کرو گے؟

بغداد؟ طاہر نے حیران ہو کر سوال کیا۔

ہاں بغداد۔ خلینہ کے طرزِ عمل میں اس غیر متوقع تبدیلی کے بعد مجھ پر فرض ناید ہوتا ہے کہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی رہی کہی غلط فہمیاں دور کر دوں۔ مجھے امید ہے کہ وہاں چند دن قیام کر کے ہم مصر و شام اور عرب کے ممالک کی اعزامت سے ایک بہت بڑی فوج تیار کر سکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو روانہ کرنے سے پہلے خلینہ نے تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا ہوگا۔

طاہر نے مغموم لمحے میں جواب دیا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ بغداد سے میرے

ساتھ آنے والے رضا کاروں کو حکومت باغی قرار دے چکی ہے۔ میں خود قید خانے سے فرار ہو کر آیا ہوں۔ بغداد سے صرف ایک ہزار آدمیوں نے میرا ساتھ دیا تھا اور یہ باقی رضا کار ہمارے ساتھ راستے کے شہروں میں شامل ہوئے ہیں۔

سلطان نے اپنے ہونتوں پر ایک مغموم مسکراہٹ ہوتے ہوئے کہا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری دعا بھی تک قبول نہیں ہوتی لیکن میں ما یوں نہیں۔ تمہاری آمد اس بات کا ثبوت ہے کہ باہر کے مسلمان ہمارے مصائب کے متعلق بے پرواہ نہیں۔ وہ وقت آئے گا کہ تمام عالم اسلام فتنہ عظیم کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا اور میں اس وقت تک اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا۔ جہاں تک ہو سکے گا میں عالم اسلام کی حفاظت کو بوجھا پنے کندھوں پر اٹھاتا رہوں گا۔ جب تک تاتاریوں کے گھوڑے میری لاش کے اوپر سے نہیں گزر جاتے، میں ہر قدم پرانا مقابلہ کروں گا۔ میں دنیا میں یہ ثابت کر دھاؤں گا کہ جو جماعت خود مٹنے کا ارادہ نہیں کرتی، اسے کوئی مٹا نہیں سَتا۔ میں اسلام ممالک کے ہر حکمران کے محل کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ میں دنیا نے اسلام کے دروازہ ممالک میں سونے والے سپاہیوں کو جگاؤں گا اور مجھے یقین ہے کہ میری آواز صد بصیر ثابت نہ ہوگی۔ تیمور! الشکر کو کوچ کا حکم دو۔ ہماری منزل مقصود انغامستان ہے۔

طاہر تیمور کی زبانی ہرات اور بلخ کی عبرت ناک بتای کا حال سن چکا تھا۔ تیمور ملک نے اس کی تشویش کی وجہ معلوم کرنے کے بعد اسے یہ تسلی بھی دی کہ شہر کی بیشتر آبادی حملے سے پہلے ہجرت کر چکی تھی۔

فوج میں بلخ کے کئی آدمی تھے۔ طاہر کے استفسار پر ان سب نے بتایا کہ شیخ عبدالرحمٰن اپنے مال و متاع کے ساتھ بلخ پر حملے سے کئی ہفت پہلے رفو چکر ہو چکا تھا۔

تاہم طاہر ہر منزل کے بعد تیمور ملک سے یہ کہتا کہ میں بخ ضرور جاؤں گا اور تیمور ملک ہر بار یہ جواب دیتا کہ وہاں گلی سڑی لاشوں اور جلے ہوئے مکانات کے سوا کچھ نہ پاؤ گے۔ شہر کی ناقابل برداشت بدبو تمہیں دو کوس کے فاصلے سے واپس دھکیل دے گی۔

جلال الدین کو طاہر کی تشویش کا علم ہوا تو اس نے بخ کے تمام سپاہیوں کو شیخ عبدالرحمن کے متعلق اپنی معلومات بیان کرنے کا حکم دیا۔ اتفاقاً ایک ٹھنڈا نکل آیا جس کا بھائی شیخ عبدالرحمن کے پاس ملازم تھا۔ اس نے بتایا کہ شیخ حملے سے چار ہفتے پیشتر اپنے گھر کے تمام افراد کے ساتھ بخ چھوڑ چکا تھا اور رخصت کے وقت اسے اپنے بھائی سے معلوم ہوا تھا کہ سر دست شیخ کی منزل غزنی تھی۔ اس کے بعد وہ شاید کسی اور شہر کا رُخ کرے۔

سلطان نے طاہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تقدیر کے راستے اچانک ایک دوسرے سے آلتے ہیں۔ ہم مرد کی طرف جا رہے تھے لیکن اب شاید تمہاری وجہ سے ہماری منزل مقصود بھی غزنی ہے۔

راستے میں چند مقامات پر تاتاریوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں نے جو سلطان کی تلاش میں دن رات ایک کرہی تھیں، مزاحمت کی لیکن سلطان انہیں تھیغ کرتا ہوا غزنی پہنچ گیا۔

غزنی میں امین الملک نے ۵۰ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان کا استقبال کیا۔ چند دنوں میں سیف الدین اغراق بھی چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ آمد۔ اس کے بعد افغانستان کے ملک اور سردار یکے بعد دیگرے اپنی اپنی جمیعت کے ساتھ غزنی پہنچنے لگے۔

غزنی پہنچ کر طاہر کو پتہ چلا کہ شیخ عبد الرحمن وہاں دو ہفتے تھہر کر ہندوستان کا رُخ کر چکا ہے۔ غزنی کے ایک تاجر نے جس کے ساتھ شیخ کے کاروباری تعلقات تھے، یہ بھی بتایا کہ شیخ موجودہ دور میں صرف مدینے کو محفوظ سمجھتا تھا اور اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ عنقریب بچوں کو مدینے پہنچادے گا۔

طاہر کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ وہ خطرے سے بہت دور ہے، اس کی تمام توجہ اب جنگ کی طرف مبذول ہو گئی۔ غزنی کی مسجد میں چند تقریروں کے بعد اس نے لوگوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ افغانستان کے علماء پہلے ہی جہاد کا فتوی دے چکے تھے۔ اب وہ طاہر کی اپیل پر دُور دراز کا دورہ کر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے لگے۔ ایک جمعہ کو طاہر کے بعد عبدالملک نے بھی تقریر کی۔ اس کی تقریر جس قدر مختصر تھی اس قدر موڑ تھی۔ اگلے دن سلطان نے غزنی کے چیدہ چیدہ علماء کے دو دو وفد بنائے کہ طاہر اور عبدالملک کو ان کے ساتھ آس پاس کے علاقوں میں جہاد کی تبلیغ لے لیے بھیج دیا۔

غیور افغان جہاد کی دعوت پر بلیک کہتے ہوئے جو ق در جو ق سلطان کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ اس دورے میں طاہر، عبدالملک سے زیادہ کامیاب رہا اور اس کی وجہ ایک تو اس کی قوت بیان تھی اور دوسرا مجبہ یہ تھی کہ اس کے پاس ایک ایسے مجاہد کی تلوار تھی جس کی بہادری کی داستانیں ان کے دلوں پر نقش تھیں۔

افغان دنیا نے اسلام کے ہر جلیل القدر سپاہی کو اپنا عزیز دوست خیال کرتے تھے۔

سلطان جلال الدین نے اپنی قوت کا اندازہ لگانے کے بعد چنگیز خان کو جوان

دنوں طالقان میں موجود تھا، چند تاریقید یوں کی معرفت یہ پیغام بھیجا: تم نے بے خبری کی حالت میں ہم پر حملہ کیا۔ تم نے طاقت سے زیاد عیاری اور مکاری سے ہمارے شہر فتح کیے۔ تمہارے سپاہی ایک مدت سے میری تلاش میں سرگردان ہیں۔ میں اس وقت افغانستان میں ہوں اور تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس دفعہ تمہاری تلواروں کے سامنے بے کس عورتوں اور بچوں کی گردنوں کی بجائے تلواریں ہوں گی۔ اگر ہمت ہے تو مقابلے کے لیے آ جاؤ۔

چنگیز خان نے شیکی تو تو کو ایک زبردست فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلے کے لیے بھیج دیا۔ سلطان نے غزنی سے چند کوس آگے نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ تین دن تک گھسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ ترکوں اور افغانوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہادری کے جو ہر دکھائے، چوتھے دن تاریوں کے پاؤں اکھڑ گئے سلطان کئی کوس تک ان کا تعاقب کرنے کے بعد انہیں گھیرا کر ایک ایسے علاقے میں لے آیا۔ جہاں تک پیاری راستے پر اس نے اپنے بہترین تیرانداز بٹھا رکھے تھے۔ شیکی تو تو کی بہت تھوڑی فوج یہاں سے فتح نکلنے میں کامیاب ہوتی لیکن سلطان نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور دریائے کابل تک تعاقب کیا۔ شیکی تو تو نے دریا میں گود کر جان بچائی۔ تیروں کی باش میں جب وہ دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس کے ساتھ صرف آٹھ آدمی تھے۔

افغانستان میں جلال الدین کی اس فتح کی خبر بھل کی سی تیزی کے ساتھ پھیل گئی۔ چنگیز خان کو اس شکست کی خبر کے ساتھ ہی یہ خبر بھی ملی کہ کوہ ہندوکش سے لے کر دریائے مرغاب کے ساحل تک تمام قبائل کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے تاریوں کی ہر چوکی کے سپاہیوں کو صغایا کر دیا ہے۔ چنگیز خان نے پہلی

بار صرف ایک محاڈ پر اپنی تمام قوت جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ زبردست تیاری کے بعد اس نے بُخ اور ہرات کے درمیان ایک وسیع علاقے کو تباہ و بر باد کرنے کے بعد دریائے مرغاب کے کنارے پر پڑا ڈال دیا اور فرغانہ سے لے کر آذربایجان تک بکھری ہوئی افواج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن یہ پہاام موقع تھا کہ چنگیز خان کو اپنی فتح کا پورا یقین نہ تھا اور اسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اسے شکست ہوئی تو مفتوحہ ممالک کے تمام وہ لوگ جو بھی تک تاتاریوں کے مظالم کی وجہ سے سہمے ہوئے ہیں۔ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور جلال الدین زمین کے آخری کونے تک اس کا تعاقب کرے گا۔

(۵)

لیکن قدرت کو شاید جلال الدین کے عزم و استقالل کا ایک اور امتحان منصود تھا۔ مستقبل کے افق پر ایک ہلکی سی روشنی دیکھنے کے بعد اسے پھر ایک بار ادبار کی گھٹائیں نظر آنے لگیں۔ ایک افسوس ناک حادثت نے شیرخوارزم کی شاندار فتح شکست میں تبدیل کر دی۔ شیگی تو تو کی شکست کے بعد جو مالی غیمت سلطان کے ہاتھ آیا۔ اس میں ایک خوبصورت گھوڑا بھی تھا۔ اس گھوڑے پر امین الدین ملک اور سیف الدین اغراق میں تکرار ہو گئی۔ سیف الدین کے مہنے سے کوئی سخت جملہ نکل گیا اور امین الدین نے غصے میں آکر اسے چاکر رسید کر دیا۔ سیف الدین کے بھائی نے فوراً تلوار کھینچ لی اور امین ملک پر حملہ کر دیا لیکن امین کی فوج کے ایک افسر نے پیچھے سے تلوار مار کر اس کا سر قلم کر دیا۔

فوج کے دو بیادر سرداروں کے درمیان جنگ ناگریز ہو گئی۔ سیف الدین اغراق کے چالیس ہزار اور امین الدین ملک کے پچاس ہزار ایک دوسرے کے

سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

سلطان کو اپنے خیے میں یہ خبر ملی تو وہ بھاگ کر باہر نکلا اور ان کے درمیان جا کھڑا ہوا۔ دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ افغانستان کے ملک اور علماء بھی ان دو افواج کے درمیان قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سلطان کے حکم پر امین الدین ملک معدورت خواہی کے لیے تیار ہو گیا لیکن سیف الدین کے لیے اپنے بھائی کا قتل معمولی بات نہ تھی۔ اس کا پہلا اور آخری مطالبہ یہی تھا کہ امین ملک کو اس کے حوالے کیا جائے۔ سلطان کو ایک طرف یہ احساس تھا کہ امین ملک پر سختی کی گئی تو اس کے پچاس ہزار سپاہی اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ دوسری طرف سیف الدین کے ناراض ہو جانے کی صورت میں اسے چالیس ہزار تر کوں کے گزر جانے کا خطرہ تھا۔

مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ سیف الدین کو سلطان کی نیت پر اس لیے بھی شبہ ہوا کہ امین ملک اپنی لڑکی سلطان کے عقد میں دے چکا تھا۔ اس نازک موقع پر نہ علماء کی منتیں کارگر ثابت ہوئیں اور نہ ظاہر اور عبد الملک کی تقریروں کا کوئی اثر ہوا۔

سیف الدین نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ہم تاتاریوں کے مقابلے میں سلطان کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ سلطان کے شتر سے بے عزتی کروانے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ رات کے وقت اس نے اپنے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ کرمان کی طرف کوچ کر دیا۔ سلطان کا یک مضبوط بازو ٹوٹ گیا۔

جلال الدین کے لشکر میں بچوٹ کی خبر سنتے ہی جنگیز خان بادو باراں کی طرح غزنی کی طرف بڑھا۔ سلطان نے غزنی سے کئی منازل آگے جا کر پڑا اور ڈال دیا اور

چنگیز خان کے راستے کی ہر پیاری، ہر گھاٹی ہر درے اور ہرندی کے پل پر چھاپے مار سپاہیوں کے پہرے بٹھادیے۔

چنگیز خان کے ساتھ ایک بے پناہ قوت تھی۔ وہ راستے کی ہر مشکل پر قابو پاتا، مزاحمت کی ہر چنان کو سرنگوں کرتا اور قدم قدم پر اپنے سپاہیوں کی لاشوں کے انبار چھوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جلال الدین کے چھاپے مار سپاہی اچانک کسی پیاری پر نمودار ہوتے اور اس کی فوج کے کسی حصے پر تیروں کا مینہ برسا کر غائب ہو جاتے۔

جلال الدین کسی ایک میدان میں فیصلہ گئی جنگ لڑنے کا فیصلہ نہ کر سکا۔ چنگیز خان کی نڈی دل افواج کے ساتھ اس کے عتمدی شکر کو کوئی نسبت نہ تھی۔ دوسرے چالیس ہزار تر کوں کے نکل جانے سے اس کے نئے ساتھیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ صرف پندرہ میس ہزار سپاہی ایسے تھے جن کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر آخری دم تک لڑیں گے۔ باقی فوج کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بار بسپاہونے کے بعد پچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے گی۔

اس نے فوج کا بیشتر حصہ امین الملک اور تیمور ملک کے سپرد کیا اور اپنے پرانے جان شاروں کے طوفانی دستوں کیسا تھا آگے بڑھ کر چنگیز خان کی فوج کے ہر اول کو شکست دی اور قریبًا پانچ ہزار سپاہی تباخ کر دیے۔

جب چنگیز خان ہراول کے سالاروں کواعنت ملامت کر رہا تھا تو اسے یہ خبر ملی کہ جلال کے طوفانی دستوں نے پیاریوں کے عقب سے ایک لمبا چکر کاٹ کر عقبی دستوں پر حملہ کر دیا ہے اور رسدا کا بہت سا سامان لوٹ لیا ہے۔

مٹھی بھر جماعت کے ساتھ جلال الدین کی ان کامیابیوں نے اس کی فوج

میں پھر ایک نئی روح پھونک دی لیکن تاتاریوں کی قوت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد جلال الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ دریائے سندھ تک پیچھے بٹا جائے گا اور اس دوران میں اسے ایک تو مزید تیاری کا موقعہ مل جائے گا دوسرے عقب سے چھاپہ مارنے والی فوجیں آئے دن تاتاریوں کے نقصانات میں اضافہ کر کے انہیں پیاروں کے اس لامتناہی سلسلے میں اور آگے بڑھنے کا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیں گی اور پسپائی کی صورت میں چنگیز خان کا انعام شیگی تو تو سے مختلف نہ ہو گا۔

صحرائے گولی کا گرگ باراں دیدہ ان خطرات سے بے خبر نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شیر خوارزم اسے اپنی خطرناک کچھار میں لا رہا ہے۔ لیکن آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا زیادہ خطرناک سمجھتے ہوئے اس نے قدم قدم پر سخت ترین نقصانات کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی رفتار تیز کر دی۔

جلال الدین نے امین ملک اور تیمور ملک کو حکم دیا کہ وہ فوراً مستقر کو چھوڑ کر اپنی فوجیں مشرق کی طرف لے جائیں اور خود آٹھ ہزار جانبازوں کے ساتھ تاتاریوں کی رفتار کم کرنے کی مدد ابیر سوچنے لگا۔

ایک صبح تاتاری جب سورج کے سامنے سر بجود تھے، جلال الدین نے ایک پیار کے عقب سے نمودار ہو کر ان کے لشکر کے باہمیں بازو پر حملہ کر دیا اور جب تک دوسری وادی سے تلب لشکر کے سپاہی باہمیں بازو کی فوج کی مدد کے لیے پہنچ جلال الدین تین ہزار تاتاریوں کو موت کی گھاٹ اتار کر پیاریوں میں غائب ہو چکا تھا۔

چنگیز خان نے جلال الدین کا پیچھا کرنے کی بجائے ہراول دستوں کو امین اور تیمور ملک کی قیادت میں پیچھے ہٹنے والی فوج کا پیچھا کرنے کا حکم دیا اور باقی لشکر کی رفتار بھی تیز کر دی۔ جلال الدین کو ایک اور موقع ہاتھ آیا اور اس نے دوپہر کے وقت

عقب میں نمودار ہو کر رسد کے دستوں پر حملہ کر دیا لیکن عقب کی افواج رُک کر مقابلہ کرنے کی بجائے مدافعانہ جنگ لڑتی ہوتی آگے بڑھتی گئیں۔ جلال الدین نے رسد کا سامان سے لدے ہوئے خچر منتشر کر دیے اور دور تک تاتاریوں کا پیچھا کر کے ان پر تیر بر ساتارہا۔ بالآخر تیسرے پھر اس نے فوج کو زکنے کا حکم دے کر ایک افسر سے کہا۔ خدا خیر کرے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ امین ملک حماقت کر بیٹھا ہے، اس نے تاتاریوں کے ہراول دستے دیکھ کر میرے حکم کے خلاف ان کے ساتھ لڑائی شروع کر دی ہے۔ ورنہ عقب میں میرے حملے کے باوجود تاتاریوں کے نہ رکنے کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے۔

ترک افسر نے جواب دیا۔ امین ملک اتنا بے وقوف نہیں اور اگر ہو بھی تو تیمور ملک جیسا جہاں دیدہ پاہی اس کے ساتھ ہے۔

سلطان نے کہا۔ لیکن تاتاری سامانِ رسد کے ایک خچر کو سوپاہیوں سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔ آج انہوں نے مذکور بھی نہیں دیکھا۔ اس سے دو ہی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ امین ملک نے یا تو ان کے ساتھ لڑائی شروع کر دی ہے اور یا وہ ان کے نزد میں آچکا ہے۔ ہمیں ان کی مدد کو فوراً پہنچانا چاہیے!

(۶)

جلال الدین کے خدشات صحیح ثابت ہوئے۔ چنگیز خان کے ہراول کے چند دستوں نے قریباً بیش کوس یلغار کرنے کے بعد امین ملک کے لشکر کو جالیا۔ امین ملک نے یہ سمجھ کر ان کی تعداد بہت تجوڑی ہے اور پیچھے جلال الدین کے حملوں کے باعث چنگیز خان اتنی بڑی فوج کے ساتھ نہایت معمولی رفتار سے پیش قدمی کر رہا ہوگا، فوج کو ٹھرنا کا حکم دے کر ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن تیمور ملک نے اس ارادے کی مخالفت

کی اور اسے سمجھایا کہ ہراول کو اس قدر تیزی سے آگے بھینجنے سے چنگیز خان کا مقصود اس کے سوا کچھ نہیں ہو ستا ہمارے ساتھ اڑائی چھپیر کر ہمیں تاتاریوں کے باقی لشکر کی آمد تک مصروف رکھا جائے۔ بہتر یہ ہو گا کہ آپ مجھے دو ہزار سواروں کے ساتھ ان دونوں سے پٹنے کے پیچھے چھوڑ دیں اور اپنی پسپائی جاری رکھیں۔

لیکن امین ملک نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور پیچھے مژا کرتا تاتاریوں پر حملہ کر دیا تاتاری تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ نہیں۔ امین ملک نے لشکر کو دوبارہ کوچ کا حکم دیتے ہوئے تیمور ملک سے کہا۔ دیکھا آپ نے، مجھے یقین تھا کہ یہ چنگیز خان کے ہراول دستے نہیں بلکہ کسی طرف سے کوئی اور گروہ اس طرف آئے گا ہے، چنگیز خان کی فوج نے بڑی تیزی سے کام لیا ہو گا تو بھی ہم سے دس کوں ڈور ہو گی۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ ہو سنا ہے کہ آپ کا خیال صحیح ہو لیکن ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔

امین ملک نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا لیکن اچانک اسے قریباً تین ہزار تاتاری ایک پیاڑی سے وادی کی طرف اترتے ہوئے دکھائی دیے۔ اس دفعہ تیمور ملک نے اسے سختی سے روکنے کی کوشش کی لیکن جس قدر تیمور ملک کے شکوک پختہ ہو چکے تھے، اسی قدر امین ملک کا یہ یقین پختہ ہو چکا تھا کہ یہ مختصری فوج کسی اور طرف سے آنکھی ہے اور اس کا چنگیز خان کی باقاعدہ فوج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جو اس کے خیال کے مطابق ابھی کوسوں ڈور تھی۔ امین ملک نے تیمور ملک کے خدشات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پھر تاتاریوں پر حملہ کر دیا اور چند لمحات کے اندر اندر انہیں روندڑا لیکن ان کی تعداد کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئی۔ پیاڑیوں سے ان کے نئے دستے جو ق در

جو ق اتر کروادی میں داخل ہونے لگے۔ قریباً ایک پہنچ نے کے بعد امین ملک نے دیکھا کہ دشمن کی صفوں میں دس بارہ ہزار سپاہی جمع ہو چکے ہیں اور اس نے پریشان ہو کر تیمور ملک سے سوال کیا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

تیمور ملک نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ اب ہم کرہی کیا سکتے ہیں؟ چنگیز خان کے ہراول کی تمام فوج اس وادی کے ارد گرد جمع ہو چکی ہے۔ آس پاس کی تمام پیاڑیوں سے انہیں مار بھگائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ کاش! آپ میرا مشورہ قبول کرتے لیکن اب نہلیوں پر اظہار افسوس کا موقع نہیں، تلافی کا موقع ہے۔

تو آپ رہنمائی سمجھنے۔ مجھے اب ایک سپاہی تجھے!

تیمور ملک نے امین کو تیس ہزار سپاہی دے کر آس پاس کی پیاڑیوں پر قبضہ کرنے کے لیے کہا اور خود باقی فوج کے ساتھ وادی میں اترنے والی انواع کے مقابلے پر ڈٹ گیا عصر کے قریب یہ وادی اور آس پاس کی پیاڑیاں تاتاریوں سے خالی ہو رہیں تھیں لیکن اس عرصے میں چنگیز خان کی باقاعدہ فوج پہنچ گئی۔ امین ملک نے اپنے تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ایک پیاڑی سے اتر کر دوسری وادی میں چنگیز خان کے لشکر کے دائیں بازو پر حملہ کر دیا اور اس کا یہ حملہ فتح کی خواہش سے زیادہ اپنی غلطی کی تلافی کے لیے تھا۔

دوسری وادی میں جہاں تیمور ملک لڑ رہا تھا۔ چنگیز خان مقدمتہ اجیش کے ساتھ خود پہنچ گیا۔ تیمور ملک نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن تحوڑی دیر چنگیز خان کے میسرہ کی فوج بھی اس وادی میں داخل ہو چکی تھی۔ تیمور ملک شام کی تاریکی سے فائدہ اٹھانے کی امید میں لڑتا رہا۔

دوسرا وادی میں امین ملک کے پاؤں اکھڑ چکے تھے لیکن اچانک جلال الدین کے پہنچ جانے سے پہلے کچھ سپاہیوں نے بھاگ نکلنے کا راہ دہ ترک کر دیا اور جان توڑ جملے کرنے لگے۔ جلال الدین نے چند حملوں میں میدان صاف کر دیا اور امین ملک کے قریب جا کر سوال کیا۔ مجھے تمہاری حماقت کی سزا می ہے یائد رت نے میری بد قسمتی میں اضافہ کرنے کے لیے تیمور ملک جیسے جہاں دیدہ سپاہی کے دماغ میں بھی جنون کے آثار پیدا کر دیے ہیں؟

امین ملک نے ندامت سے سر جھکا کر جواب دیا۔ یہ میرا قصور ہے، تیمور ملک نے مجھے منع کیا تھا۔ میں نے اسکا کہانہ مانا۔ مجھے یقین تھا کہ تاتاری بہت دور ہوں گے۔

خدا ہر انسان کو تمہارے جیسے احقوں کی دوستی سے محفوظ رکھے۔ اب میں تمہیں ایک کام سونپتا ہوں۔ تم فوراً غزنی کی طرف روانہ ہو جاؤ اور میرے بیوی بچوں کو لے کر کسی محفوظ مقام کی طرف نکل جاؤ۔ اہل شہر کو بھی یہ مشورہ دو کہ وہ ہندوستان کی سرحد کی طرف نکل جائیں۔

جلال الدین نے اس وادی میں رہی سبھی فوج کو منظم کر کے چند پہاڑیاں عبور کرنے کے بعد تیمور ملک سے نبرد آزمہ ہونے والی فوج پر حملہ کر دیا اور تیمور ملک کے ارد گرد گھیراڑا لئے والی صفویوں کو درہم برہم کرتا ہوا اس کی فوج کے ساتھ جاملا۔ جب شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں کسی کو دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی۔ جلال الدین ایک طرف زوردار حملوں سے میدان خالی کرتا ہوا قریباً آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ وادی سے نکل گیا لیکن چنگیز خان کے حکم سے تاتاریوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ رات کے وقت اس کے کئی سپاہی گھوڑے زخمی ہونے کی وجہ سے پیچپے رہ گئے اور کئی

بھٹک کر ادھر ادھر نکل گئے اور بعض نے مایوسی کی حالت میں اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔
صحیح تک اس کے ساتھ صرف چھہ ہزار سپاہی رہ گئے۔ ظاہر کے ساتھیوں میں سے
اکثر شہید ہو چکتے تھے۔ عبدالعزیز اور موسیٰ کو اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے میدان
میں گرتے دیکھا تھا۔

چند دن تک تاری سائے کی طرح جلال الدین کے پیچھے لگے رہے یہاں
تک کہ وہ لڑتا بھڑتا دریائے سندھ کے کنارے جانکا۔

دیارِ غیر

ایک صبح جلال اپنی مختصر فوج کے ساتھ ایک ایسی چنان پر کھڑا تھا جو تین اطراف سے تاتاریوں کے محاصرے میں تھی اور چوتھی طرف تقریباً تمیں فٹ نیچے دریائے سندھ ٹھائیں مار رہا تھا۔

چنگیز خان کا حکم تھا کہ جلال الدین کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کیا جائے۔ چنان کے گرد جلال الدین کے بچے کچھ ساتھ اپنی جان کی بازی لگا چکے تھے۔ تاتاریوں کا گھیرا ٹنگ ہو رہا تھا۔ انکی فوج سے ایک سوار جو شکل و صورت اور لباس سے ایک مسلمان عالم معلوم ہوتا تھا۔ سفید جھنڈا اٹھائے ہوئے آگے بڑھا اور اس نے چنان کے قریب پہنچ کر باند آواز میں کہا۔ سلطانِ معظم! اگر آپ ہتھیار ڈال دیں تو خانِ اعظم آپ کی جان بخشی کا وعدہ کرتے ہیں۔

سلطان نے جواب دیا۔ اگر تمہارے ہاتھ میں سفید جھنڈا نہ ہوتا تو میں تمہاری بات کا جواب تیر سے دیتا۔ جاؤ اس ڈاکو سے کہو کہ میں ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

طاہر نے چنگیز خان کے ایچھی کو ایک ہی زگاہ میں پہچان لیا۔ یہ مہلب بن داؤد تھا۔

چنگیز خان نے چند دوستوں کو حملہ کا حکم دیا۔ جلال الدین کے سپاہیوں کے تیروں اور پتھروں کی بارش سے چنان کے نیچے تاتاریوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ چنگیز خان نے یہ دیکھ کر زیادہ سپاہی بھیج دیے۔ جلال الدین کے سپاہی ایک ایک کر کے کٹنے لگے۔ وہ بیچھے ہٹتے ہٹتے چنان کی آخری سرے تک جا پہنچا۔ سلطان نے تیمور ملک سے کہا۔ تیمور! قدرت نے ہمیں آگے اور پانی میں سے ایک شے

منتخب کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تمہاری رائے کیا ہے؟

تیمور ملک نے جواب دیا۔ مجھے یقین ہے کہ پانی کی لہریں آگے کے شعلوں کی طرح بے رحم ثابت نہیں ہوں گی۔

بہت اچھا۔ میں راہنمائی کرتا ہوں۔ تم سپاہیوں کو تیار ہونے کا حکم دو۔ سلطان نے بھاری زرہ اتار کر پھینک دی۔ گھوڑے کو آگے بڑھایا اور ایک لمحہ خوفناک لہروں کو دیکھنے کے بعد ایڑا لگا دی۔ تیمور ملک نے چند آدمیوں کے سواباتی سپاہیوں کو دریا میں کو دنے کا حکم دیا۔

جب اپنی باری آئی تو تیمور ملک کی نگاہ طاہر پر جا پڑی۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر گھوڑے کی گردان پر سر میکے ہوئے تھا۔ اس کی زرہ میں چند تیر اٹکے ہوئے تھے اور اس کا وفادار نوکر زید نیزے کے ساتھ دوتا تاریوں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور ملک گھوڑا بڑھا کر آگے بڑھا اور تا تاریوں میں سے ایک کی گردان اڑا دی۔ دوسرے تا تاری کو زید گرا چکا تھا۔ اتنی دیر میں چند اور تا تاری پہنچ گئے۔ تیمور ملک نے طاہر کو کھینچ کر اپنے گھوڑے پر ڈالنے ہوئے زید اور باقی سپاہیوں کو دریا میں کو دنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنے گھوڑے کو چٹان کے سرے پر لے جا کر ایڑا لگا دی۔ عبدالملک دریا کے کنارے تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا لیکن جب طاہر کو تیمور کی حفاظت میں دیکھا تو اس نے بھی چھلانگ لگا دی۔

چنگیز خان نے خوارزم شاہ کو زندہ پکڑنے کی نیت سے اپنے سپاہیوں کی معمولی تعداد چٹان پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کی تھی۔ جب تا تاری چٹان کے اوپر کھڑے ہو کر دریا کی طرف اشارہ کر کے چلانے لگے تو وہ بھاگتا ہوا چٹان پر چڑھا۔ جلال الدنے کے اکثر ساتھی تا تاریوں کے تیروں اور بعض دریا کی تند و تیز موجود جوں کا شکار

ہو چکے تھے۔ لیکن جلال الدین تیروں کی زد سے دور جا چکا تھا۔ وہ دوسرے کنارے پہنچ کر ایک ٹیلے پر چڑھا اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

چنگیز خان نے اپنے بیٹوں اور سرداروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ خوش نصیب ہے وہ باپ جس کا بیٹا جلال الدین جیسا ہوا اور مبارک ہیں وہ ماں میں جو ایسے شیروں کو دو دھن پلاتی ہیں۔

چنگیز خان کے بعض سپاہیوں نے جلال الدین کے تعاقب میں دریا عبور کرنے کی اجازت طلب کی لیکن اس نے کہا۔ یہ دریا ترکستان کے چھوٹے چھوٹے دریاؤں سے مختلف ہے اور دشمن کے ترکش تیروں سے خالی نہیں تیمور ملک نے طاہر کو دریا کے کنارے لٹا کر اس کی زرہ کھولی۔ زخموں پر پیاس باندھیں اور کہا۔ طاہر اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟

اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے صحیح سے پانی پینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے بھوک اور پیاس کی وجہ سے چکرا آگیا تھا دریا میں ٹھنڈا پانی میں نے جی بھر کر پیا ہے۔

قریباً سات سو سپاہی دریا عبور کر کے جلال الدین سے جا لئے۔ سلطان نے اردو گرد کی بستیوں پر قبضہ کر کے سامانِ رسد اور چند گھوڑے فراہم کیے اور کوہستان نمک کے آس پاس ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ چند دنوں میں اسکی فوج کے منتشر پاہیوں کی چند اور ٹولیاں بھی اس سے آمیں۔ چنگیز خان نے چند کوس نیچے جا کر کشتیاں فراہم کیں اور ایک تجربہ کا جریل کو اپنے بہترین سواروں کو فوج دے کر دریا پار پہنچا دیا۔ جلال الدین نے مایوسی کی حالت میں دہنی کو رُخ کیا۔ تاتاری ہندوستان کی ناقابل برداشت گرمی میں دور تک اس کا پیچھا نہ کر سکے۔ وہ

ماتان، لاہور اور شاہ پور کی علاقوں میں لوت مار کر کے واپس چلے گے۔

واپسی پر پشاور کو تباہ و ویران کرنے کے بعد چنگیز خان نے سرقند کا رُخ کیا۔

افغانستان کے تباہ شدہ علاقوں میں سے دوبارہ گزرتے ہوئے اس نے رہے سبے ان تمام مردوں کو، جو اس کے ہاتھ لگے، قتل کروادیا اور بے شام عورتوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

دریائے سندھ کے کنارے سے لے کر بحیرہ خزر تک تمام اسلامی ممالک پر تاتاریوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ افغانستان سے انتقام لینے کے بعد چنگیز خان کو اطمینان ہو چکا تھا کہ اب مسلمانوں میں سر اٹھانے کی ہمت نہیں۔ صرف جلال الدین ایک ایسا دشمن تھا جسے وہ تمام دنیا سے زیادہ خطرناک سمجھتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی ملک تھا، فوج عالمِ اسلام کی مدافعت کا آخری قلعہ مسما رہو چکا تھا۔ پشاور کے قریب تاتاریوں کے ہاتھوں اس کے بچے اور بیوی جو امین کی حفاظت میں تھے، قتل ہو چکے تھے۔ ٹکشی خاندان کا وہ آخری جسم و چراغ جس کی مملک چند برس قبل کوہ البرز سے لے کر سندھ کے ساحل تک پہنچی ہوئی تھی۔ ایک بے خانماں مسافر اور ایک بن بلائے مہمان کی حیثیت میں وہی کے حکمران سلطان شمس الدین انتش کی مملکت میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن اسے خیر مقدم کی امید نہ تھی۔

جلال الدین نے وہی سے چند منازل کے فاصلے پر پڑا و ڈال کر اپنے ایک تجربہ کا مشریعین الملک اور طاہر بن یوسف کو رہنمائی میں سلطان شمس الدین انتش کی طرف ایک وندروانہ کیا۔

(۲)

عین الملک اور اسکے ساتھیوں کو شاہی مہمان خانے میں ٹھبرا گیا۔ سلطان

امتش نے ان کے ساتھ تین ملاقاتوں کے بعد انہیں چند دنوں تک جواب دینے کا وعدہ کیا۔

اپنے تمام مشوروں اور فوجی افسروں سے صاحب مشورہ کرنے کے بعد سلطان نے ایک دن ارکان و فدیں سے طاہر بن یوسف کو علیحدہ ملاقات کی دعوت دی اور ایک طویل گفتگو کے بعد کہا۔ ہم جلال الدین کی مدد سے انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری مجبوریاں آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے پاس چنگیز خان کا پیغام پہنچ گیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اگر ہم نے سلطان جلال الدین کو پناہ دی یا اس کے ساتھ تاتاریوں کے خلاف کوئی معاهدہ کیا تو وہ ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔ ہم ایسی دھمکیوں کی پرواکرنے والے نہیں۔ تا ہم سلطان جلال الدین کو اس بات کا احساس ہونا چاہتے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی آبادی آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ اگر تاتاری یہاں گھس آگے تو خطرے کے وقت شاید یہاں کی دوسری اقوام ہمارا ساتھ دینے کی بجائے ان کے ساتھ جائیں۔ ہمیں چند ہندوراجاؤں نے یقین دلایا ہے کہ تاتاریوں کے حملہ کی صورت میں وہ اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے ہمارا ساتھ دیں گے لیکن اگر چنگیز خان انہیں یہ پیغام پہنچ دے کہ اس کا مقصد رصرف جلال الدین کو گرفتار کرنا ہے تو وہ یقیناً ہم سے یہ مطالبہ کریں گے کہ ہم اس مہمان کو پناہ دے کر ہندوستان کی تباہی کا موجب نہ بنیں۔ اگر ہمارے پاس زیادہ افواج ہوتیں تو ہم آدھ لشکر کے ساتھ جلال الدین کے جھنڈے تلے ہندوستان سے باہر نکل کر تاتاریوں کا مقابلہ کرتے اور آدھا لشکر ہندوستان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیتے۔ لیکن یہاں معاملہ بر عکس ہے۔ پہلے دنوں تاتاریوں نے چند دستے دریائے سندھ عبور کرنے کے بعد لاہور اور ملتان تک لوٹ مار کر گئے تھے اور ہمیں ان کی

پیشقدمی روکنے سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ کہیں ہماری غیر مسلم رعایا با غن نہ ہو جائے۔ عین الملک نے ہمیں طعنہ دیا ہے کہ ہم تاتاریوں سے خوف زدہ ہیں۔ ہم اس بات کا جواب دوسروں کے سامنے نہیں دے سکتے لیکن ہم آپ سے کہتے ہیں کہ تاتاریوں سے خوف کھانے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم بُرُول ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنے رعیت سے مطمئن نہیں۔

طاہر نے پوچھا تو کیا میں سلطان جلال الدین کے پاس یہ جواب لے جاؤں کہ آپ کوان کا ہندوستان میں ٹھہرنا منظور نہیں؟

نہیں۔ آپ نے ہمیں غلط سمجھا۔ اگر ہماری طرف سے سلطان جلال الدین کے مکتوب کا کوئی جواب ہو سبتا ہے تو وہ یہ کہ ہم اپنے ایک مصیبت زدہ بھائی لے لیے اپنے خون تک بہانے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں ان کی انگانت کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم اس سلطنت کی حفاظت کی تمام ذمہ داریوں سے سکدوں ہو کر اپنی ساری فوج سلطان کے حوالے کر دیں اور تاتاریوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ ہندوستان کی بجائے کسی ایسے ملک میں لڑی جائے جس کے عوام ہمارے ساتھ ہوں اور ہمیں یہ خدشہ نہ ہو کہ کوئی پیچھے سے ہمیں چھرا گھونپ دے گا۔ ایسی صورت میں نتیجہ اگر ہمارے حق میں ہو تو ہم ہندوستان کو ایک بار کھو کر بھی دوبارہ حاصل کر سکیں گے اور اگر ہمیں شکست ہوئی تو اس کالازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان کو بھی کھو جائیں گے۔

طاہر نے کہا۔ ہم نے ہندوستان کی وسعت سے آپ کی فوجی قوت کا اندازہ لگایا تھا۔ سلطان جلال الدین کی جنگ اپنے لیے نہیں، تمام اسلامی دنیا کے لیے ہے۔ وہ کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ یہ ملک جو ترکستان، ایران اور افغانستان کے

لاکھوں بے خانماں لوگوں کو پناہ گاہ بن ساتا ہے، مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔ دریائے سندھ کے کنارے ان کی اثراً تاتاریوں کو ہندوستان کے دروازے پر رروکنے کے لیے تھے۔ خراسان اور ایران میں ان کی جنگیں عراق، شام اور مصر کی حفاظت کے لیے تھیں۔ ہمارا مقصود ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے کھونے ہوئے ممالک دوبارہ حاصل کریں اور رہے سبے آزاد ممالک کو تاتاریوں کی غلامی سے بچائیں اور اس مقصود کے حصول کا راستہ بھی ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم جمنا کے ساحل سے لے کر جبل الطارق تک ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ ہمارا ہر ملک اس اجتماعی جدوجہد میں اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لے۔ سلطان جلال الدین کا یہ خیال تھا کہ وہ آپ کے تعاون سے ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں کو مرکز بنا کر ایک بار پھر تمام اسلامی سلطنتوں کو دعوتِ عمل دیں گے۔ اگر عالم اسلام نے ان کی دعوت پرلبیک کہا تو بہت تھوڑے عرصے میں یہاں سپاہی جمع ہو سکتے ہیں۔

سلطان امتش نے کہا۔ ہم یہاں آنے والے ہر سپاہی کا خیر مقدم کریں گے لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سلطان جلال الدین خود یہاں ٹھرنے کی بجائے تمام عالم اسلام کا دورہ کریں اور ان کی آواز پرلبیک کہنے والوں کا مستقر ہندوستان ہو۔ جتنے سپاہی وہ فراہم کر کے یہاں جیجیں گے۔ ہم ان کی تمام ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ لیتے ہیں۔ اس کا خوش گوارا شریہ ہوگا کہ تاتاریوں کی توجہ ہندوستان سے ہٹ جائے گی اور ہمیں تیاری کا موقع مل جائے گا۔ اس کے برعکس سلطان جلال الدین اگر خود ہندوستان میں رہے تو تاتاری ہر کروٹ سے باخبر رہیں گے اور ہماری طرف سے خطرہ محسوس کرتے ہی ہندوستان پر حملہ کر دیں گے۔ آپ ہماری تمام باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور سلطان کو بھی سمجھائیں۔ پھر اگر ان باتوں کے باوجود

سلطان نے یہاں ٹھہرنا قریب مصلحت سمجھا تو ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے محل کا یک حصہ ان کے لیے خالی ہو گا اور اگر انہیں ایک مہماں کی حیثیت میں یہاں ٹھہرنا پسند نہ ہو تو ہم انہیں یہ اجازت دے دیں گے کہ وہ اس ملک کے غیر مفتوح حصوں میں سے جو نساعلاٰقة چاہیں فتح کر لیں۔ ہم درپرداز ان کی مدد کریں گے اور تاتاریوں کو دُور رکھنے کے لیے ان پر ظاہر کریں گے کہ سلطان ہماری مرضی کے بغیر اس ملک میں گھس آیا ہے۔

ظاہر نے کہا۔ میں آج ہی سلطان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور چند دنوں تک سلطان کا جواب آپ کے پاس پہنچاؤں گا۔

شمس الدین انتش نے کہا۔ بہتر یہ ہو گا کہ آپ سلطان کو مکتوب میں یہ تمام باتیں لکھ بھیں اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو سلطان کے پاس روانہ کر دیں۔ عین الملک نے ابھی سے ہمارے امراء کے ساتھ ساز باز شروع کر دی ہے۔ آپ سلطان کو لکھیں کہ یہاں عین الملک کی موجودگی ہم دونوں کیلئے نقصان رسائی ثابت ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ وہ اسے بلا لیں اور ہمارے پاس تیمور ملک کو ٹھیک دیں۔ وہ نیک نیت بھی ہے اور معاملہ فہم بھی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم بہت جلد کسی فضیلے پر پہنچ جائیں گے۔ سلطان کے پاس آپ اپنے ساتھیوں میں سے جس کو بھیجننا چاہیں اس کے لیے ڈاک کے گھوڑوں کا بندوبست کیا جائے گا اور زیادہ سے زیادہ تین دن میں سلطان کا جواب لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔

اس ملاقات کے بعد ظاہر کے دل میں سلطان انتش کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں وہ سب دُور ہو گئیں، اس نے مہماں خانے میں واپس آ کر عین الملک کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور سلطان جلال الدین کے نامراسلہ لکھنے بیٹھ گیا۔

(۳)

اگلے دن طاہر شہر کی ایک مسجد میں صبح کی نماز پڑھ کر باہر نکلا تو دروازے کی سیڑھیوں پر کسی نے پیچھے سے اس کا دامن پکڑ لیا۔

کون؟ طاہر نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

ایک نو عمر اڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ مجھے جانتے نہیں؟

اسا عیل! طاہر نے اسے جھک کر گلے لگالیا اور جذبات کے بیجان میں اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ تم یہاں کب پہنچے؟ تمہارا نانا کہاں ہے؟ تمہاری نانی کیسی ہے؟ اور شریا تمہاری بہن کہاں ہے؟

چلیے وہ سب گھر پر ہیں۔

کہاں؟

اسی شہر میں بالکل قریب!

طاہر کا دل دھڑ کنے لگا۔ اس نے کہا۔ مجھے یہاں ایک ہفتہ ہو گیا۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں ہو۔ مجھے بخ کے قریب پہنچ کر پتہ چلا کہ تم غزنی جا چکے ہو۔

اسا عیل نے کہا۔ کل رات میں نے آپ کو اسی مسجد میں دیکھا تھا لیکن میں دور تھا، اچھی طرح پہچان نہ سکا اور جب میں نے آپ کا پیچھا کیا، آپ آدمیوں کے ہجوم میں باہر نکل گئے۔ میں نے آپا جان سے ذکر کیا تو انہوں نے آج صبح مسجد کے دروازے پر پہرا دینے کے لیے کہا۔ چلیے!

طاہر اس عیل کے ساتھ چل دیا۔ منزل شوق کی طرف اس کی پاؤں کبھی تیز اور کبھی ست رفتار سے اٹھ رہے تھے۔

وہ اس عیل کے ساتھ ایک خوبصورت محل میں داخل ہوا۔

شیامکان کے سخن میں آم کے درختوں کے درمیان کھڑی تھی۔ طاہر اسے دیکھ کر رکتا، جبھکتا اور سنبھلتا ہوا آگے بڑھا اور چند قدم کے فاصلے پر رُک گیا۔ دونوں کی نگاہیں ایک شنیہ بھٹکنے کے بعد ایک دوسرے کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ خاموش تھے اور الفاظ کی ضرورت بھی نہ تھی۔ انکے دل و دماغ سمٹ کر زگا ہوں میں آچکے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے چہرے کو بدلتے ہوئے رنگ دیکھ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے انہیں دنیا میں ایک دوسرے کے سوا کسی اور کی موجودگی کا احساس تک نہ تھا۔ ان کے دلوں کی دھڑکنوں کے سوا کارخانہ، حیات کے تمام ہنگامے سوچکے تھے۔

اسماعیل نے کہا۔ آپ پہچانا نہیں آپ نے؟ یہ بھائی طاہر ہیں!

شیامکرانی اور ایک لمحہ توقف کے بعد آگے بڑھ کر اسماعیل کو گلے لگا کر بولی۔

میرے خیال میں تم نے انہیں پہچانئے میں غلطی کی ہے۔ یہ شاید کوئی اور ہیں۔

اسماعیل نے پریشان ہو کر طاہر کی طرف دیکھا اور کہا۔ خدا کی قسم یہ وہی ہیں!

شیامکرانی اور طاہر کی طرف دیکھ کر اپنی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھپاتی ہوئی مکان کی طرف چل دی، برآمدے کی سیر ہمیوں کے قریب پہنچ کر وہ چلنے کی بجائے بھاگ رہی تھی۔

نامی جان وہ آگئے۔ اس نے ایک دروازے پر رُک کر کہا۔ باہر اسماعیل حیران ہو کر طاہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

آپ ذرا دُبلے ہو گئے ہیں۔ شکل تو بالکل وہی ہے۔ عجیب بات ہے کہ آپ آپ کو نہیں پہچان سکیں۔ آپ میرے ساتھ اندر چلیے۔ نانا جان کو آپ ضرور پہچان لیں گے۔ اسماعیل نے یہ کہتے ہوئے طاہر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

طاہر نے ہستے ہوئے کہا۔ لیکن اگر انہیوں نے بھی نہ پہچانا ہتو؟

اسماعیل نے پھر ایک بار غور سے طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں سچ کہتا ہوں۔ آپ کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ پیشائی پر زخم کا ایک نشان ہے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ نانا جان یقیناً آپ کو پہچان لیں گے۔

اتنی دیر میں شیخ عبدالرحمٰن باہر نکلتا ہوا دکھانی دیا۔ چند نوکر اس کے ساتھ تھے اور وہ باند آواز میں کہہ رہا تھا۔ سخت نالائق ہوتم! مہمان باہر کھڑا ہے اور تم نے مجھے خبر تک نہیں دی اور وہ دیکھو، اسماعیل بھی کتنا حمق ہے۔ نہ معلوم یہ کب سے وہاں کھڑے ہیں۔

طاہر نے آگے بڑھ کر شیخ عبدالرحمٰن سے مصالحت کیا۔ شیخ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے ایک میل دوڑ کر آیا ہو۔

اس نے کہا۔ آئیے اندر چلیے۔ آپ باہر کیوں کھڑے تھے؟
اسماعیل نے کہا۔ نانا جان! پہچانا آپ نے یہ کون ہیں؟
چپ نالائق۔

شیخ طاہر کا بازو پکڑ کر مکان کی طرف چل دیا۔ برآمدے کے سامنے سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا لیکن طاہر نے اسے بروقت تھام لیا۔ اسماعیل ہستا ہوا بھاگ کر ستون کے پیچھے چھپ گیا۔

شیخ نے منجاتے ہوئے کہا۔ یہ سنگ مرمر کی سیڑھیاں بہت خطرناک ہیں۔ میں چوتھی بار بیہاں سے پھسلا ہوں۔ اسماعیل کہاں گیا؟ وہ نالائق یقیناً کہیں چھپ کر نہس رہا ہوگا۔ ابے صابر! شوکت! آج ہی معماروں کو بُلا و اور انہیں کہو کہ یہ سنگ مرمر اکھاڑ کر کوئی گھر دراپتھر لگادیں لیکن ٹھہرو! ابھی نہیں پھر سہی۔

شیخ نے طاہر کو ایک خوش نما کمرے میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے

متعلق مایوس ہو چکا تھا۔ میں تم سے کئی باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ ہاں! پہلے یہ بتاؤ کہ تم وہی کیسے آئے؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم بخش جلد پہنچو گے۔ پھر اتنی دیر کیوں لگائی؟

طاہر نے ان سوالات کے جواب میں مختصر طور پر اپنی سرگزشت بیان کر دی۔

شیخ نے کہا۔ اب دوبارہ بھاگنے کا ارادہ تو ہمیں؟

میں جلال الدین کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر اسے یہاں سے گوچ کرنا پڑا تو مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑے گا لیکن فی الحال کم از کم ایک ہفتہ میں یہیں ہوں۔

میں عنقریب وہی چھوڑ نے کا ارادہ کر چکا ہوں۔

آپ کہاں جائیں گے؟

مدینہ، بغداد یا دمشق۔ ٹریا مدنے جانے پر مصر ہے۔ لیکن میں نے ابھی تک فیصلہ نہیں کیا۔ تمہارے خیال میں کون سا شہر زیادہ محفوظ ہے؟

مدینہ ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔

تمہارا گھر بھی وہیں ہے نا؟

جی ہاں! مدینے کے بالکل قریب۔ اگر آپ میرے گھر ٹھرا قبول فرمائیں تو میں اپنے نوکر کو اپنے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار ہوں

شکریہ! لیکن میں دو سال قبل مدینے میں ایک باغ اور ایک مکان خرید چکا ہوں۔ میں نے اپنے دو ملازم دمشق اور بغداد بھیج دیے ہیں۔ انہوں نے وہاں بھی میرے لیے مکان خرید لیے ہوں گے۔ اب ایک بات کافی صلحہ باقی ہے اور وہ یہ کہ تم اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے یا سر دست اس کا ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟

میری بیوی؟ طاہر نے پریشان ہو کر کہا۔

ہاں ہاں! تمہاری بیوی۔ میرا مطلب ہے شادی کے بعد؟
شخ اپنا فقرہ پورا نہ کر سکا۔ عقیبی کمرے کا دروازہ کھلا اور شخ کی عمر رسیدہ بیوی
اندر داخل ہوئی۔ طاہر نے اٹھ کر سلام کیا اور اس نے پیار اور شفقت سے کہا۔ بیٹھ
جاوے بیٹا!

شخ نے کہا۔ ہاں! میں کیا کہہ رہا تھا؟
حنیفہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ شاید یہ کہہ رہے تھے
کہ اب کسی تاخیر کی بغیر ثریا اور ان کی شادی کر دی جائے۔

نہیں۔ نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ثریا کا ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گے یا
اپنے ساتھ لے جائیں گے؟

بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ جب تک یہ جنگ سے فارغ نہیں
ہوتے ہرثیا ہمارے سوا اور کہاں رہ سکتی ہے؟

یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شادی کرنے کے بعد اگر یہ ثریا کو
اپنے ساتھ لے جانے کا خیال رکھتے ہوں تو ان کا ارادہ تبدیل کر دوں۔
لیکن ابھی تک آپ نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ شادی کب ہوگی؟
میں فیصلہ کر چکا ہوں۔

حنیفہ نے پریشان ہو کر سوال کیا۔ کب؟
رات کو جب اسماعیل نے یہ بتایا تھا کہ اس نے مسجد میں انہیں دیکھا ہے، میں
نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا بلکہ میں نے یہ قسم اٹھاتی تھی کہ اگر یہ مل گئے تو میں
فوراً ان کی شادی کر دوں گا۔ اب اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں آج ہی قاضی کو

بلاتا ہوں!

طاہر نے حیا سے آنکھیں نیچی کرتے ہوئے جواب دیا۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو ستا ہے۔

حنیفہ نے کہا۔ لیکن تیاری کرنے اور لوگوں کو دعوت کی اطاعت دینے میں کم از کم دو دن ضرور لگ جائیں گے۔

شیخ نے کہا۔ دو دن؟ تم اس دن سے تیاری میں مصروف ہو، جس دن طاہر بخ سے روانہ ہوا تھا۔ دعوت کے لیے تم کہوتو میں شام سے پہلے پہلے سارا شہر یہاں جمع کر ستا ہوں۔

لیکن کم از کم دو دن پہلے تو اطاعت ہونی چاہیے۔ شہر کے امراء کی کئی لڑکیاں ثریا کی سہیلیاں بن چکی ہیں اور انہیں کم از کم ایک دن پہلے بلانا چاہیے۔

شیخ نے ایک طویل بحث کے بعد ہار مانتے ہوئے کہا۔ بہت اچھا پرسوں ہی کہی۔ پرسوں صحیح نظر ہوگا۔

(۵)

کھانا کھانے کے بعد شیخ نے طاہر کو اپنے پاس ٹھہرا نے کے لیے اصرار کیا لیکن طاہر نے کہا۔ نہیں اس وقت مجھے اجازت دیجئے۔ شاہی مہمان خانے میں میرے ساتھی انتظار کر رہے ہوں گے۔ شام کو آ جاؤں گا۔

شیخ سے اجازت لے کر طاہر کمرے سے باہر نکلا تو برآمدے میں اسما عیل منتظر کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ آپ جا رہے ہیں۔ اگر تمہوڑی دیرا اور ٹھہر جاتے تو میں آپ کے ساتھ چلتا۔ استاد نے کہا کہ سبق ختم کیے بغیر چھٹھی نہیں ملے گی۔

شیخ اسما عیل کی آواز سن کر باہر نکل آیا اور بولا۔ جاؤ بیٹا! اپنا سبق ختم کرو یہ شام

کو آجائیں گے۔

اسماعیل نے کہا۔ شاید یہ راستے سے واقف نہ ہوں!

شیخ نے کہا۔ دیکھا آپ نے، یہ ہر ایک کو اپنے مقابلے میں کم عقل سمجھتا ہے۔
طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسماعیل! تم جا کر سبق پڑھو۔ میں شام کو
آجائیں گا۔ پھر ہم دونوں سیر کے لیے جائیں گے۔

اسماعیل بادل نخواستہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور طاہر مکان سے نکل کر پائیں
باغ میں داخل ہوا۔ آسمان پر بادل چھار ہے تھے۔ راستے سے ایک طرف آم کے
گھنے درختوں کے درمیان ایک چھوٹے سے حوض میں فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ راج بس
کا ایک جوڑاپانی میں تیر رہا تھا اور ٹریا سنگ مرمر کی پڑی پر بیٹھی ہوئی تھی ا۔ طاہر اس
کے قریب سے گزرتے ہوئے رُکا اور وہ اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

آپ جا رہے ہیں؟ ٹریا نے جھوکتے ہوئے سوال کیا۔ وہ اب طاہر کی طرف
دیکھنے کی بجائے آنکھیں نیچی کیے ہوئے تھیں۔ طاہر نے اپنا راستہ چھوڑ کر اس کے
قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ میں شاہی مہمان خانے میں اپنے دوستوں کے پاس جا رہا
ہوں۔ شام تک آجائیں گا۔

اسماعیل کو آپ کے ساتھ چھجھ دوں؟

نہیں۔ وہ سبق یاد کر رہا ہے۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا کہیں!

بات یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔ طاہر سوچ میں پڑ گیا۔

ٹریا نے اس کی طرف چونک کر دیکھا اور کہا۔ کہیے! آپ خاموش کیوں ہو
گئے؟

میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بات شروع کس طرح کروں؟ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ

آپ آج شام یا کل صبح کوئی وقت نہ لیں۔ اس کے لیے فرصت اور تہائی کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی بات اس قدر اہم ہے تو میں ابھی سنتا چاہتی ہوں۔ شام تک ممکن ہے میری چند سہیلیاں آ جائیں اور مجھے ان کی وجہ سے تہائی نصیب نہ ہو۔

پہاڑ آپ یہ وعدہ کریں کہ خفا ہونے سے پہلے میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گی!

اگر کوئی ایسی بات ہے جس سے آپ میرے خفا ہو جانے کا خدشہ محسوس کرتے ہیں تو آپ کسی ہچکچا ہٹ کے بغیر کہہ دیجئے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں خفائن میں ہوں گی۔

ظاہر نے کہا۔ بات یہ ہے کہ بلنخ سے بغداد پہنچنے کے بعد میرے ساتھ چند ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں جن کا شادی سے پہلے آپ کے ساتھ ذکر کران میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

ثریا نے حیرت زدہ سی ہو کر ظاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کہیے! بلنخ سے بغداد جانے کے بعد کیا ہوا؟

مجھے معلوم نہ تھا کہ.....؟

آپ گھبرائیں نہیں، میں سمجھ گئی، میں آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف کسی گذشتہ فیصلے کا پابند رہنے پر مجبور نہیں کروں گی۔

دیکھا، آپ کو ابھی سے غلط نہیں ہو گئی۔ میں صرف اس لیے آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کل آپ کو یہ شکایت نہ ہو کہ آپ نے بے خبری میں اپنے مستقبل کے متعلق کوئی غلط فیصلہ کیا تھا۔

ثریا نے کہا۔ دنیا میں صرف آپ ہیں جس سے مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن آپ کے تذبذب سے مجھے بے چینی ضرور ہوئی ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ بغدا پہنچ کر آپ کو کیا واقعات پیش آئے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ آپ سے جو کچھ ہوا ہوگا، وہ صحیح ہوگا۔ اگر آپ مجھ سے یہ بھی کہیں کہ آپ کسی اور سے شادی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے تو خدا شاہد ہے کہ مجھے آپ سے شکایت نہ ہوگی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسی ہے جسے آپ کی محبت میں کسی کی شرکت گوارا نہیں تو میں آپ کو شادی کے لیے مجبور نہ کروں گی اور اگر آپ اس لیے بات کرنے سے ہچکچا رہے ہیں کہ میں اپنی محبت میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کروں گی تو مجھے یقیناً اس بات کا افسوس ہوگا کہ آپ نے میرے متعلق غلط رائے قائم کی۔

لیکن تم نے یہ کیوں سوچا کہ میں شادی کر چکا ہوں؟
آپ کی بجائے، تم سن کر ثریا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ وہ بولی تو پھر اس کے سوا آپ اور کیا کہنا چاہتے کہ میرے علاوہ ایک اور اڑکی بھی ہے جسے آپ مایوس نہیں کرنا چاہتے!

اچھا فرض کرو میں یہی کہنا چاہتا ہوں تو؟
تو کیا؟

تو تم کیا جواب دیتیں؟

میں جواب دینے سے پہلے آپ سے کئی سوالات پوچھتی۔
کیسے سوالات؟

میں پوچھتی، وہ کون ہے، کیسی ہے، آپ اس سے کب ملے، کیسے ملے، اس

نے آپ سے کیا کہا۔ آپ نے کیا جواب دیا۔ آپ نے میراذ کر کیا تو اس نے کیا کہا
وہ رحم دل ہے یا جھگڑا لو ہے؟ شریا ہنسنے لگی۔

شریا سنو! طاہر نے سنجیدہ ہو کر کہا اور وہ چپ چاپ دانتوں میں انگلی داب کر
حوض کے کنارے بیٹھ گئی، اس کی آنکھوں میں شرارت آمیز قبم تھا۔
طاہر نے اپنے ساتھ صفیہ کی ابتدائی دلچسپی سے لے کر آخری ملاقات تک کے
تمام واقعات بیان کر دیے۔

اختتام پر شریا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ لا یعنی وہ انگوٹھی
کہاں ہے؟

طاہر نے جیب سے انگوٹھی نکال کر شریا کے ہاتھ پر رکھ دی۔ شریا نے اپنی انگوٹھی
آٹا رکر صفیہ کی انگوٹھی پہن لی اور کہا۔ مجھے معاف کیجئے۔ میں نے آپ کو پریشان کیا۔
یہ تیجے میری انگوٹھی اپنے پاس رکھیے اور جب وہ ملے اسے میری طرف سے پیش کر
دیجیے اور میری طرف سے یہ بھی کہیے کہ میں اس کی ایک ادنی خادمه بن کر رہنا بھی
اپنے لیے باعث خرخیاں کروں گی۔

(۶)

طاہر کی شادی سے اگلے دن تیمور ملک دلی پہنچا۔ لوگ اس کے سپاہیاں
کارنا مسون چکے تھے۔ جب وہ شہر کے دروازے پر پہنچا تو امراء سلطنت کے
علاوہ شہر کے بہت سے لوگ اس کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ جب وہ شہری
مہماں خانے کی طرف جا رہا تھا، ایک اچھا خاصا جلوس اس کے پیچھے تھا۔

طاہر نے تفصیل سے سلطان کے ساتھ گزشتہ ملاقاتوں کا ذکر کرنے کے بعد کہا
مجھے افسوس ہے کہ آپ ایک دن دری سے یہاں تشریف لائے۔ ورنہ دعوت ولیمہ

میں آپ بھی شریک ہو جاتے۔

کس کی دعوت و لیمة؟

میری۔ میری شادی ہو چکی ہے۔

کب؟ کیسے؟ کہاں؟

کل۔ آپ کو یاد ہے بخ کے راستے میں جب آپ سے ملاقات ہوتی تھی۔

ایک اڑکی میرے ساتھ تھی اور آپ نے اس کی تقریں کر مجھے ایک نصیحت کی تھی۔

میں نے آپ کی اس نصیحت پر عمل کیا ہے۔

تو وہ بخ سے یہاں پہنچ گئے؟ تم بہت خوش نصیب ہو!

میرا خیال تھا کہ آپ کے ساتھ عبدالملک بھی آئے گا اور آپ دونوں میری
شادی میں شریک ہو سکیں گے۔

عبدالملک بعد ادروانہ ہو چکا ہے۔

کب؟

تمہاری مکتوب ملتے ہی سلطان نے مجلسِ شوریٰ طلب کی اور ہمارا متفقہ فیصلہ
تھا کہ تمام اسلامی سلطنتوں میں اپنی بحیثیت کرانہ میں تاتاریوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ
بنانے کی دعوت دی جائے۔ سلطان کی خواہش تھی کہ تمہیں بھیجا جائے لیکن میں نے
یہ رائے دی کہ تمہاری دہنی میں بھی ضرورت ہے۔

ظاہر نے کہا۔ لیکن میری طرح عبدالملک کے متعلق بھی خلینہ کی رائے اچھی
نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ اسے جاتے ہی گرفتار نہ کر لیں۔

تیمور ملک نے جواب دیا۔ نہیں، وہ سلطان کے اپنی کی حیثیت سے گیا ہے۔

خلفیہ اس قدر رذالت کا ثبوت نہیں دے گا۔ سلطان نے باقی تمام اسلامی ممالک

میں بھی اپنے اپنی روانہ کر دیے ہیں۔

ایک افسر نے اندر آ کر اطلاع دی۔ سلطان نے آپ کو ملاقات کے لیے بلایا ہے۔

تیمور ملک نے اٹھتے ہوئے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ انشاء اللہ! میں واپس آ کر تمہاری شادی پر ایک تھفہ پیش کروں گا۔

دوپہر کے وقت تیمور ملک سلطان سے ملاقات کر کے واپس آیا تو اس نے طاہر کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔ میں نے تمہیں ایک تھفہ پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم تا حکمِ ثانی دہنی میں رہو گے اور جب تک سلطان جلال الدین ہندوستان میں ہیں۔ تمہیں دوسرا حکم نہیں دیا جائے گا۔ میں کل جا رہا ہوں۔ دہنی میں تم سلطان کے سفیر بن کر رہو گے۔ مجھے ڈر ہے کہ بعض ترک سردار سلطان انتش کو ہمارے سلطان کے خلاف اُکساتے رہیں گے لیکن تم نے چند ملاقاتوں میں سلطان پر جواز ڈالا ہے اس کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ تمہاری بیہاں موجودگی میں کوئی شخص اسکا ارادہ تبدیل نہیں کر سکے گا۔ تم اپنا کام جاری رکھو اور سلطان، امراء اور عوام کو تاتاریوں کے خلاف متحدہ محاڑ میں ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ کرتے رہے۔ سلطان انتش یہ سن کر خوش ہوا تھا کہ اب تم خوارزم شاہ کے سفیر بن گے۔ وہ تمہاری نیک نیتی اور خلوص سے بہت متاثر ہے۔

شام کے وقت شیخ عبدالرحمٰن نے تیمور ملک کے اعزاز میں شہر کے معزز زین کو دعوتِ طعام دی۔ کھانا کھانے کے بعد تیمور ملک نے کہا۔ طاہر! میں تمہاری بیوی کے لیے بھی ایک تھفہ لا یا ہوں۔

حاضرین گہری دچپی کے ساتھ تیمور ملک کی طرف دیکھنے لگے۔ تیمور ملک

نے اپنے گلے سے حمال اتار کر طاہر کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ تمہاری بیوی کے لیے میں اس سے بہتر تخفہ پیش نہیں کر ستا۔ یہ قرآن مجید میرے والد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

دہنی میں چند دن اور رہنے کے بعد طاہر کو سلطان امتش کی پریشانیوں کی وجوہات معلوم ہوئیں۔ امتش نے دہنی کا تخت و تاج اپنے آقاطب الدین ایک کی وفات کے بعد اس کے نالائق بیٹے سے زبردستی حاصل کیا تھا۔ ترک امراء بالخصوص ایک اس کی کامیابی پر خوش نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ دہنی کے تخت پر امتش کی نسبت اس کا اپنا حق زیادہ ہے۔ سرکش امراء کو امتش کے ہمیں ہاتھ مغلوب کر چکے تھے لیکن شمال مغرب سے اُسے تاتاریوں کا خطرہ تھا اور جنوب میں راجپوت منظم ہو رہے تھے۔ ان حالات میں امتش کا یہ خدشہ بے جانہ تھا کہ اگر تاتاریوں یا راجپوتوں کے ساتھ اڑائی کی نوبت آگئی تو اس کی فوج کے بعض ترک سردار جوابی تک مضمون نہیں ہوئے، اس کے ذمہنوں کے ساتھ جا ملیں گے۔

جب عین الملک میں پہنچ کر سلطان کے باعث امراء کے ساتھ ساز باز شروع کی دی تو امتش کو ایک نئے خطرے کا احساس ہوا۔ تیمور ملک سلطان سے ملاقات کے بعد عین الملک کے ساتھ بہت سختی سے پیش آیا۔ رخصت سے پہلے وہ چند سرکرد وہ امراء سے ملا اور انہیں مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد متفق اور متعدد رہنے کی ہدایت کی۔

تیمور ملک کے جانے کے بعد طاہر نے امراء کو متعدد کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ چند دنوں میں سلطان کے مخالفین میں سے اکثر امراء نے طاہر کی تقریروں سے متاثر ہو کر یہ حلف اٹھایا کہ وہ خطرے کے وقت سلطان کے ساتھ بے وفائی نہیں

کریں گے۔ اس کے بعد طاہر عوام کی طرف متوجہ ہوا۔ وہی کی مساجد میں اس کی چند تقریروں کے بعد باقی چند امراء نے بھی یہ محسوس کیا کہ اگر وہ الگ تھلگ رہے تو رائے عامہ ان کے خلاف مشتعل ہو جائے گی اور سلطان آسمانی سے ان کی سرکوبی کر سکے گا۔ چنانچہ وہ بھی سلطان سے وفاداری کا اعلان کرنے پر مجبور ہو گئے۔ طاہر کی ان کامیابیوں کی ایک بڑی وجہ ثریا کی کوششیں تھیں۔ وہی میں طاہر کی بیوی بننے سے قبل اسے امراء کی بہو بیٹیاں صرف ایک مالدار تاجر کی حسین بیٹی کی حیثیت سے جانتی تھیں۔ لیکن اس کی شادی میں سلطان اور ملکہ کی شرکت نے اسے تمام بڑے بڑے خاندانوں کی توجہ کا مستحق بنا دیا۔ اب انہیں ثریا کی زندگی کے کئی اور روشن پہلو نظر آنے لگے۔ عورتوں کی ہر محفل میں اس کا ذکر ہونے لگا۔ جہاں چار عورتیں جمع ہوتیں گفتگو شروع ہو جاتی۔

ایک کہتی۔ میں نے سنا ہے کہ اس کا نانا ایک سید حاسادا تاجر ہے جو صرف روپے مانا جانتا ہے۔

دوسری کہتی۔ لیکن اس کی نانی بڑی ہو شیار ہے۔ کئی امراء کی بیویاں یہاں تک کہ وزیراعظم کی بیوی بھی اسے بڑی امداد کہہ کر پکارتی ہے۔ جو باتوں سے اس کی معترف نہیں ہوتی۔ وہ اسے کوئی تحفہ دے کر خرید لیتی ہے۔ میں نے سنا ہے، ملکہ کو بھی اس نے جواہرات کا ایک ہارپیش کیا تھا۔

اسی لیے تو ملکہ نے بھی ثریا کی شادی پر زیارت سے بھرتی ہوتی ایک منڈوقچی پیش کی تھی۔

میں نے سنا ہے کہ ثریا کا باپ کسی شہر کا حاکم تھا، وہ تاتاریوں کے ساتھ بڑائی میں شہید ہوا۔

وہ بڑی خوش نصیب ہے۔ اس کے نام کے پاس بے پناہ دولت ہے، باپ ایک بہادر سپاہی تھا اور شوہر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا سنیر اور ہمارے ملک سلطان کا گھر ادوات ہے۔ کہتے ہیں وہ صورت سے بالکل فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی آواز میں جادو ہے۔

دہنی کی با اثر امراء کو متعدد کرنے کی مہم میں طاہر کے ساتھ شریک ہو کر ثریانے جو کامیابی حاصل کی، اس کے باعث اب وہ طاہر کی بیوی اور شیخ کی بیٹی ہونے سے زیادہ قوم کی ایک قابل احترام بیٹی کی حیثیت میں پہچانی جاتی تھی۔

اس نے ایک دن شہر کے معزز گھر انوں کی عورتوں کو اپنے مکان پر کھانے کی دعوت دی اور ان کے سامنے تاتاریوں کے مظاہم بیان کرنے کے بعد یہ اپیل کی کہ وہ مردوں کو خواب غفلت سے جگائیں ورنہ وحشت و بربریت کا طوفان ہمسایہ ممالک کو تباہ و بر باد کرنے کے بعد ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اجتماعی خطرے کے مقابلے کے لیے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

ثریانے انہیں سمجھایا کہ اگر قوم کی عورتیں فرض شناسی کا ثبوت دیں تو مردوں میں سے کسی کو غدار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ بیویاں اپنے شوہروں کو، بہنیں بھائیوں کو اور ماں میں اپنے بیٹوں کو قوم کا ساتھ دینے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ صرف مردوں کا اتحاد اور ایسا قوم کی بہو بیٹیوں کی حفاظت کا ضامن ہو ستا ہے۔

ثریانے ہندوستان کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اگر سلطان اور امراء کے اختلافات کم نہ ہوئے تو تاتاریوں کی شہ پاتے ہی ہمارے خلاف اس ملک کے کروڑوں غیر مسلم ائمہ کھڑے ہوں گے۔

ثریا کی تقریر اس قدر موثر تھی کہ تمام خواتین نے اپنے اپنے گھر کے مردوں کو

سمجھانے کا عہد کیا۔ یہ ابتدا حوصلہ افزائی تھی۔ اسکے بعد ہر محلے کی عورتیں شریا کو تبلیغ کی دعوت دینے لگیں۔ قریباً ہر شام کسی نہ کسی عورت کے گھر میں جلسہ ہوتا اور شریا وہاں تقریر کرتی۔

شیخ عبدالرحمٰن نے طاہر کی موجودگی میں دہنی چھوڑے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ سندھ ساگر کے علاقے میں ڈیرہ ڈال کر باہر کی اسلامی سلطنتوں سے اپنی اپیل کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

طاہر اور شریا نے چند ہفتوں میں دہنی کے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے سلطان انتش کی درخواست پر اس کی مملکت کے دوسرے شہروں کا رُخ کیا۔ ان کی شہرت ہمیشہ ان سے ایک منزل آگے رہی۔ ہر شہر میں ان کا نہایت شامدار خیر مقدم کیا گیا۔ شریا عورتوں کو تبلیغ کرتی اور طاہر مردوں میں حرارتِ ایمانی زندہ کرتا۔ وہ مساجد میں تقریریں کرتا۔ فوجی چوکیوں میں جا کر پاہیوں کی پریڈ دیکھتا اور ان کے ساتھ تنق زنی، تیر اندازی اور نیزہ بازی کی مشق میں شریک ہوتا۔

الفاظ اور کردار کا غازی جب کئی مہینوں کے دورے کے بعد واپس دہنی پہنچاتوں سلطان انتش نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ اب مجھے یقین ہے کہ میں دریائے سندھ سے لے کر کوہ بندھیا چل تک تمام سرکشوں کو مغلوب کر سکوں گا۔ اب تاتاریوں نے ہندوستان کا رُخ کرنے کی مجرات کی تو انشاء اللہ ان میں سے کوئی بیچ کر نہیں جائے گا۔

چند دنوں کے بعد سلطان جلال الدین کے اپنی نے دہنی پہنچ کر یہ خبر دی کہ خلینہ کی طرف سے اپنی درخواست کا حوصلہ افزائ جواب سن کر سلطان ہندوستان کی

بجائے بغداد کو اپنا مرکز بنانا بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ خبر سنانے کے بعد ایچی نے طاہر کو تیمور ملک کا مکتوب پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

”خلیفہ سے اپنا پیغام کا حوصلہ افزای جواب موصول ہونے پر سلطان نے بغداد جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم چند دنوں میں مatan پہنچ جائیں گے۔ سلطان کا حکم ہے کہ تم بھی وہاں پہنچ جاؤ۔ سلطان معظم سندھ اور مکران کے راستے بغداد پہنچیں گے۔ سلطان شمس الدین المنش کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بغداد پہنچ کر ہم مصر، شام اور عرب کے ممالک سے اعانت حاصل کرنے کے بعد انہیں اپنے ارادوں سے باخبر کر دیں گے، اس وقت تک وہ اپنی مانیں درست اور تلواریں تیز کر چھوڑیں۔“

طاہر تیمور ملک کا مکتوب لے کر ثریا کے کمرے میں داخل ہوا۔ ثریا نے دیکھتے ہی سوال کیا۔ ایچی کیا پیغام لاایا ہے؟

طاہر نے اس کے ہاتھ میں خط دیتے ہوئے کہا۔ تم خود پڑھلو۔
ثریا نے خط پڑھنے کے بعد اس کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔ آپ نے کن جانے کا فیصلہ کیا ہے؟
کل یا پرسوں۔

لیکن آپ کچھ پریشان ہیں۔ میری فکر نہ سمجھتے۔
ثریا! اس میں شک نہیں کہ تم سے جدا ہونا میرے لیے آسان نہیں لیکن میری پریشانی کی وجہ کچھ اور ہے۔
میں پوچھ سکتی ہوں؟

بات یہ ہے کہ میں خلیفہ کی طرف سے مضمون نہیں ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ سلطان بغداد جانا ان کے لیے تکلیف دہ ثابت نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے خلیفہ

کے متعلق غلط رائے قائم کی ہو لیکن امراء سلطنت میں سے بعض ایسے ہیں جو کسی وقت بھی خلینہ کو غلط راستے پر ڈال سکتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تاتاری بغداد کے کئی سر کردہ لوگوں کو خرید چکے ہوں گے۔

ثیری نے کہا۔ لیکن عبد الملک کے متعلق آپ کی رائے یہ تھی کہ وہ بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اگر کوئی خطرے کی بات ہوتی تو وہ یقیناً سلطان کو بغداد جانے کا مشورہ نہ دیتا۔

طاہر نے کہا۔ خدا کرے کے ان کی نیک نیت کے متعلق عبد الملک کا اندازہ غلط ثابت ہو۔

شام کے وقت جب شیخ کو طاہر کی تیاری کا علم ہوا تو اس نے بتایا کہ میں صرف تمہاری موجودگی کی وجہ سے دہنی میں ٹھبرا ہوا تھا۔ اب میں مدینے کی طرف روانہ ہو جاؤں گا اور وہاں سے حج کے بعد مشق یا کسی اور جگہ جانے کا فیصلہ کروں گا۔

خلینہ نے طاہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ بیٹا! جب تک تم واپس نہیں آؤ گے، ہم مدینے میں ہی قیام کریں گے۔ ہم تمہارا گھر بھی دیکھیں گے۔

طاہر نے کہا میں زیاد کو آپ کے پاس چھوڑ جاتا ہوں۔ وہ آپ کو ہمارے گھر لے جائے گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کم از کم کچھ عرصہ کے لیے ان کے مہمان بننا قبول کریں گے۔

حنیفہ نے کہا۔ ثیری نے اگر پسند کیا تو ہم اسے وہیں چھوڑ جائیں گے۔

شیخ نے کہا۔ ثیری نے مجھ سے کہا ہے کہ سلطان جلال الدین کوفوج کے لیے روپے کی ضرورت ہے۔ لیکن ہر قندر اور بخارا میں میرا بہت نقصان ہوا ہے تا ہم میں ایک لاکھ دینار دیتا ہوں۔ تم یہ سلطان کے پاس پہنچا دو۔

سلطان انتش نے بھی اس کی مدد کے لیے مجھ سے کہا تھا۔

رُخصت کی دن سلطان انتش نے جلال الدین کی مدد کے لیے اشرفیوں کا ایک صندوق دیا اور طاہر کو ماتمان تک پہنچانے اور صندوق کی حفاظت کے لیے سواروں کا ایک دشتناک کے ساتھ روانہ کر دیا۔

بد عہدی

راستے میں کرمان، اصفہان اور دوسرے مقامات کے امراء تا تاریوں کی حوصلہ افزائی سے اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے۔ سلطان جلال الدین نے آئندہ کے لیے اطاعت اور فرمان برداری کا وعدہ لے کر ان کی گزشتہ خطائیں معاف کیں اور جنگ کے لیے تیاری کا حکم دے کر بغداد کا رُخ کیا۔

بغداد سے واپس آ کر عبد الملک سلطان کو یقین دلا چکا تھا کہ تاتاریوں کا خطرہ بغداد سے بہت قریب دیکھ کر خلیفہ کا خط بھی بہت حوصلہ افزایا تھا لیکن طاہر، تیمور ملک اور سلطان کے چند اور ساتھی پوری طرح مضمون نہ تھے۔

تیمور ملک نے سلطان کو مشورہ دیا کہ وہ چند دن بغداد کی حدود سے باہر قیام کریں اور چند آدمیوں کو بغداد بھیج کر تازہ حالات معلوم کریں۔ ممکن ہے کہ خلفیہ آپ کو دور کر کر مدد کیا ہے تیار ہو لیکن اسے آپ کا بغداد میں داخل ہونا گوارانہ ہو۔

اس قسم کے تمام اعتراضات کے جواب میں سلطان نے کہا۔ خلیفہ نے دشمن کے مقابلے میں ایک ہو جانے کی دعوت پر بلیک کہا ہے۔ انہوں نے ہمارے مکتوب کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دوسرے سلطین کو متعدد ہوتا دیکھتے ہی اپنی افواج ہماری مدد کے لیے بھیج دیں گے اور دوسرے سلطین نے ہماری مدد کے لیے یہ شرط کی ہے کہ انہیں خلیفہ کے تعاون کا یقین دلا جائے۔ اس صورت میں ہمارے لیے یہی راستہ ہے کہ ہم بغداد پلے جائیں اور خلیفہ کی طرف سے شام، مصر اور مرکش کے سلطین کے نام یہ پیغام بھجوائیں کہ جہاد میں انہیں ہمارا ساتھ دینا چاہتے ہیں۔ اگر خلیفہ کی نیت صاف نہ بھی ہوتی ہمیں یقین ہے کہ وہ بغداد میں ہم پر ہاتھ نہیں اندازکے گا۔ اگر رائے نامہ کے خوف سے ایک عرصہ کے لیے وہ طاہر اور

اس کے ساتھیوں کی سرگرمیاں نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے تھے تو ہمارے خلاف بھی وہ زیادہ سے زیادہ یہی سوچ سکیں گے کہ ہمیں تنگ کر کے بغداد چھوڑنے پر مجبور کیا جائے اور ہم کو اس کی پرواہ نہیں لیکن ہمیں تنگ کر کے بغداد چھوڑنے پر مجبور کیا جائے اور ہم کو اس کی پرواہ نہیں لیکن ہمیں یہ یقین ہے کہ خلیفہ سے پہلی ملاقات میں ہی ہم ان کے تمام ثبہات دُور کر دیں گے، ہم ان سے کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ کی غلطیاں معاف نہیں کر سکتے تو ہمیں سزا دے لیجیے۔ لیکن مسلمانوں کو تاتاریوں کی غلامی سے بچائیں! ہمیں خوارزم کا سلطان سمجھنے کی بجائے ایک ایسا انسان سمجھیے جو اسلام کی ناموس کے لیے آپ کے جہندے تھے ایک سپاہی کی حیثیت میں اڑنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے۔

ظاہر نے کہا۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر آپ بُرانہ مانیں تو میری رائے یہی ہے کہ آپ مجھے اور عبد الملک کو بغداد بھج دیں۔ ہم چند نوں میں حالات کا صحیح جائزہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔ خلیفہ اور ان کے حکام جو سلوک ہمارے ساتھ کریں گے، اس سے ان کی نیت ظاہر ہو جائے گی۔ اگر ہم واپس نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمیں آپ کی طرف داری کے جرم کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا ہے اور آپ کے متعلق بھی ان کا ارادہ نیک نہیں اور اگر ہم واپس آگئے تو آپ کو بغداد کے تمام حالات سے آگاہ کر سکیں گے۔

سلطان جلال الدین نے اس رائے سے اتفاق کیا اور ظاہر، عبد الملک اور مبارک کو بغداد جانے کی اجازت دے دی۔ ظاہر کے ساتھ بغداد سے آئے ہوئے رضا کاروں میں سے تیس نوجوانوں کو بھی چند نوں کے لیے بغداد جانے کی اجازت مل گئی۔

شام کے وقت بغداد کے وزیر اعظم نے صفیہ کو اپنے کمرے میں بُلا�ا اور اس کے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے کہا۔ بُٹی! پورے دس سال خلینہ کی خدمت کرنے کے بعد مجھے کسی پر اعتبار نہیں رہا اور نہ ہی مجھے امید ہے کہ کوئی مجھ پر اعتبار کرتا ہوگا۔ میرا سب سے بڑا گناہ شاید یہ تھا کہ بعض معاملات میں خدا کی مرضی کے خلاف خلینہ کے اشاروں پر چلتا رہا۔ لیکن عالم اسلام پر عبرت ناک تباہی لانے کے لیے میں خلینہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ سنو! جلال الدین خوارزم شاہ خلینہ سے اعانت کی توقع پر بغداد آ رہا ہے۔ میرے اصرار پر خلینہ نے اسے ایک حوصلہ افزائش کا تھا اور مجھے یہ اطمینان تھا کہ میرا یہ فعل شاید میری گزشتہ تمام نسلیوں کا نثارہ ہو سکے گا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو ہماری بھائی منظور نہیں۔ آج ہو منافق اور غدار مہلب بن داؤ دتا تاریوں کا خاص اپنی بن کر بغداد پہنچ گیا ہے۔ اسکے ساتھ چند تاتاری سردار بھی ہیں۔ خلینہ تاتاریوں سے پہلے ہی مرعوب تھا، مہلب نے اس کے رہے سبے اوسان خطا کر دیے ہیں۔ خلینہ کو اس نے سمجھایا ہے کہ اگر تم جلال الدین کو پکڑو اکرتا تاریوں کے حوالے کر دو تو بغداد تباہی کی آگ سے بچ جائے گا اور چنگیز خان کے جانشین تمہیں ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھیں گے، خلینہ کی تسلی کے لیے تاتاریوں سے انعام کی توقع میں چند مفتیوں نے بھی یہی فتوی دے دیا ہے کہ تاتاریوں کو خدا نے زمین کے وسیع حصے پر حکومت عطا کی ہے۔ ان کی مخالفت خدا کی مرضی سے بغاوت ہے اور جلال الدین کے مذہبی عقائد درست نہیں۔ اس لیے بغداد کے لوگوں پر اس کی اعانت فرض نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مہلب چند دن پہلے سے یہاں سرگرم عمل تھا لیکن مجھے اس کی آمد کا صرف اس وقت پتہ چلا جب وہ چند

تاتاری سرداروں کے ساتھ خلینہ کے دسترخوان پر بیٹھنے کا شرف حاصل کر چکا تھا۔

میں نے خلینہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن مہلب کی باتوں سے متاثر ہو کر خلینہ خدا سے زیادہ تاتاریوں سے ڈرتا ہے۔ آج رات پھر خلینہ نے مجھے اور فوج کے چند عہدیداروں کو ملاقات کی دعوت دی ہے اور مجھے امید ہے کہ آج خلینہ کے محل میں مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدیداروں میں سے کوئی بھی خوارزم شاہ کی مدد کر کے تاتاریوں کی دُشمنی مول لینے کے حق میں نہیں لیکن میں آخری فرض ادا کروں گا۔ آج میں قاسم کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن وہ بہت دور ہے۔ میں تمہیں ایک بڑا کام سونپ کر جا رہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ خلینہ کو ناراض کر کے بہت کم لوگ اس کے محل سے زندہ نکل کر اپنے گھر پہنچتے ہیں۔ شاید میرا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہو۔ اگر میں آدمی رات تک گھرنہ آسکوں تو تم سعید کو بلا کر یہ خط اس کے حوالے کر دو۔ اور اسے یہ ہدایت کرو کہ وہ جس قدر جلدی ممکن ہوا سے جلال الدین کے پاس پہنچا دے کیونکہ اگر خلینہ نے جلال الدین کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ وہ آج رات ہی فوج بچھج دے گا اور مجھے وہ اخفاۓ راز کے ڈر سے گھر آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ میں نے سعید کو سمجھا دیا ہے۔ وہ طاہر کے پرانے رفقاء میں سے چند نوجوانوں کو جمع کر کے اصطبل کے قریب میرے حکم کا انتظار کرے گا۔ ابھی تک میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اسے کس مہم کے لیے بھیجا جائیں گا اور ضرورت کے بغیر میں ایسا اہم مراسلہ اس کے سپرد کرنا بھی نہیں چاہتا۔ ممکن ہے کہ خلینہ میری بات مان لے اور جلال الدین کو یہ مراسلہ بھیجنے کی ضرورت نہ پڑے۔ بہر حال اگر میں آدمی رات تک نہ آسکا تو بغداد کے وزیراعظم کی زندگی کا آخری فرض اس کی بستی پورا کرے گی

-سعید اور طاہر کے دوسرے ساتھ مجھ سے زیادہ تمہارا اعتبار کرتے ہیں۔

صفیہ نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیے میری طرف سے کوتا ہی نہیں ہوگی۔

وزیر اعظم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ اگر قاسم بھی یہاں ہوتا تو بھی شاید اس کام کے لیے میری نگاہ تم پر ہی پڑتی۔

وزیر اعظم شاہی محل کی طرف چل دیا۔

(۳)

عشاء کی نماز سے تھوڑی دیر بعد وزیر اعظم کے محل میں کہرام مچا ہوا تھا۔ محل کے تمام نوکر اس کے گرد جمع تھے۔ اس کے سینے اور پسلیوں کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

وزیر اعظم نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں اور سخیف آواز میں سوال کیا۔ میں یہاں کیسے پہنچا؟

ایک نوکر نے جواب دیا۔ آپ دروازے پر پہنچ کر گر پڑے تھے، ہم آپ کو یہاں اٹھالائے۔

اور وہ نوکر جو میرے ساتھ تھے؟

ایک نوکر نے آگے بڑھ کر کہا۔ مجھے معمولی زخم آئے ہیں۔ حادثہ قتل ہو گیا ہے!

تم نے انہیں پہچانا؟

جی میں نے مہلب کو پہچان لیا تھا۔ جب آپ خلیفہ کے محل سے باہر نکلے تھے تو وہ آپ کے ساتھ تھا۔ ہم دونوں سیڑھیوں سے نیچے چند قدم کے فاصلے پر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب آپ نیچے اتر رہے تھے تو چار نفاث پوش آدمیوں نے درختوں کے سامنے سے نکل کر آپ پر حملہ کر دیا۔

آپ مڑ کر دروازے کی طرف بھاگ گئے لیکن مہلب نے آپ کا راستہ روک کر آپ پر نجمر کے دو تین وار کر دیے اور مدد کے لیے شور مچان اشروع کر دیا۔ حامد مجھ سے آگے تھا، اس نے مہلب پر حملہ کیا لیکن وہ ایک طرف ہو کر فتح گیا اور حامد ایک نقاب پوش کی تلوار سے گھائل ہو کر گر پڑا۔ میں نے آگے بڑھ کر ایک نقاب پوش کو مار گرا یا۔ باقی تین نقاب پوش مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ایک اور کوچھی رگرا دیا۔ اتنی دیر میں خلینہ کے محل کے سپاہی باہر نکل آئے اور مہلب نے جلدی سے سیڑھیوں پر چڑھ کر کہا۔ سپاہی آرہے ہیں۔ بھاگ جاؤ۔ وہ بھاگ گئے تو میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ وہاں سے محل کر رکھ کر رہے تھے۔ میں بھاگ کر آپ کے پاس پہنچا اور چند قدم آپ کے ساتھ چل کر اس خیال سے رُک گیا کہ مبارادہ وہ آپ کا تعاقب کریں۔ جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ آپ محل کے قریب پہنچ چکے ہیں تو میں بھی آگیا۔

وزیر اعظم نے کہا۔ سعید کہا ہے؟

سعید نوکروں کو ادھر ادھر ہٹا کر وزیر اعظم کے بستر کے قریب آکھڑا ہوا۔ وزیر اعظم نے اپنی بیوی، صفیہ، سکینہ اور سعید کے سوا باقی تمام نوکروں کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔

جب کمرہ خانی ہو گیا تو اس نے سعید سے کہا۔ تمہارے ذمہ جو کام ہے وہ صفیہ تمہیں بتا دے گی، تمہارے ساتھی تیار ہیں؟

جی ہاں!

وزیر اعظم پھر اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ میرے بعد تمہارے لیے بغداد چھوڑ کر مصر چلے جانا بہتر ہو گا۔ میں صرف تھوڑی دیر کا مہمان ہوں۔ صفیہ نے کہا۔ بچپا! میں نے ابھی تک آپ کو ایک بات نہیں بتائی۔

ظاہر زندہ ہے۔ اور اگر آپ کا انتقام کسی اور نے نہ لیا تو وہ ضرور لے گا۔

بیٹی! سچ کہو، میرے دل پر ایک بہت بڑا ابو جھوٹا۔

ہاں یہ سچ ہے۔ اسے مردہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا گیا تھا۔ یہ سعید کو بھی معلوم

ہے۔

وزیر اعظم نے جواب طلب نگاہوں سے سعید کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔

جی ہاں وہ زندہ ہے!

وزیر اعظم نے صفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ صفیہ بیٹی! میرے جانے سے پہلے خلیفہ تیس ہزار سپاہی سلطان کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کر چکا تھا۔ اب تمہیں اپنا فرض پورا کرنا ہے وہ۔۔۔ آج رات کافی دُور جا چکے ہوں گے۔۔۔۔۔ سکینہ! مجھے تمہارے ساتھ باتمیں کرنے کے لیے کبھی فرصت نہ ملے۔۔۔۔۔ آج میرے پاس بیٹھ جاؤ۔۔۔۔۔

سکینہ آنسو بپاتی ہوئی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ وزیر اعظم نے چند ثانیے اس کی طرف دیکھنے کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور درد سے کراہنے لگا۔ تجوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور اشارے سے پانی مانگا۔ سعید نے اسکی گردن کو ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھایا اور صفیہ نے پانی کا پیالہ اس کے ہونتوں سے لگا دیا۔

پانی کا ایک گھونٹ پینے کے بعد وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ سکینہ نے کہا۔
انہیں غش آگیا ہے۔

سعید نے جلدی سے اس کامنہ کھولا اور صفیہ کو پانی ڈالنے کے لیے کہا۔

صفیہ نے اس کے منہ میں پانی ڈالا لیکن وہ حلق سے نیچے اترنے کی بجائے با چھوٹوں سے باہر آگیا۔ وزیر اعظم نے آنکھیں کھولیں اور چند بار اکھڑے اُکھڑے

سنس لینے کے بعد ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

سکینہ اور پچی کواس کی لاش کے ساتھ پٹ کر روتے ہوئے چھوڑ کر صفیہ آنسو بہاتی ہوئی باہر نکل آئی۔ سعید اس کے پیچھے تھا۔

میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ اس نے کہا۔

صفیہ نے جواب دیا۔ ٹھہرو! میں ابھی آتی ہوں۔

تمہوڑی دیر بعد صفیہ اپنے کمرے سے نکلی۔ اس نے سواری کا لباس پہنچا ہوا تھا اور اس کی کمرے سے تلوار لٹک رہی تھی۔ اس نے ایک خادمہ کے ہاتھ میں ایک رُقعت دیتے ہوئے کہا۔ سُجح یہ رُقعتہ سکینہ کو دے دینا!

سعید حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی۔ چلو سعید!

لیکن آپ ہمارے ساتھ جائیں گی؟

ہاں! میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ چنان کہا تھا کہ یہ ان کی زندگی کا آخری اور آخر ہم تیرن فرض ہے اور میں اسے پورا کرنا چاہتی ہوں۔

لیکن آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہتے ہیں۔

مجھے تم پر اعتبار ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ شاید تمہاری طرف سے کسی پیغام کو اہمیت نہ دیں۔ اس کے علاوہ مہلب مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ میں یہاں ٹھہر کر اس گھر کی سیاہ بختی میں اور اضافہ نہیں کروں گی۔

سورج نکلنے سے تمہوڑی دیر بعد طاہر اور اس کے ساتھی ایک پیاری علاقے سے گور رہے تھے۔ ایک کشادہ وادی میں داخل ہوتے ہی انہیں سامنے کی پیاریوں سے آنے والی گپ ڈنڈی پر آٹھ دس سوار سر پٹ آتے ہوئے دکھانی دیے، جنکے پیچے پچال کے لگ بھگ سواروں کا ایک اور دستہ آرہا تھا۔

طاہر غور سے دیکھنے کے بعد عبد الملک کی طرف متوجہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے! عبد الملک نے کہا۔ وہ پیچھے سے تیر بھی چلا رہے ہیں۔ وہ دیکھیے، ایک آدمی زخمی ہو کر گر رہا ہے۔ وہ دو حسوس میں تقسیم ہر کران کے گرد گھیراڑاں رہے ہیں اور وہ آٹھ دس آدمی صرف جان بچا کر بھاگنا چاہتے ہیں۔ اڑنا نہیں چاہتے۔ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔

طاہر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔ جلدی! وہ ان کے زخمی میں آنے والے ہیں۔

آن کی آن میں طاہر اور اس کے ساتھی پیاری سے اُتر کروادی میں پہنچ گئے۔ طاہر نے بلند آواز میں کہا۔ عبد الملک! وہ دیکھو سب سے آگے شاید ایک عورت ہے۔ تم اسے باسیں طرف سے گھیرنے والے سواروں کو روکو! میں دائیں طرف جاتا ہوں۔ وہ دونوں سے ان کی تیروں کی زد میں آچکے ہیں۔ ان کے لیے پگ ڈنڈی چھوڑ دو۔ اگر انہوں نے ہمیں بھی تعاقب کرنے والوں کا ساتھی سمجھ کر ادھر ادھر مُڑنے کی کوشش کی تو وہ مارے جائیں گے۔

طاہر کے ساتھیوں نے دو حسوس میں تقسیم ہو کر تعاقب کرنے والوں کا راستہ روک لیا اور بھاگنے والے انہیں اپنے مددگار سمجھ کر کچھ دور جانے کے بعد رُک گئے۔ طاہر نے آگے بڑھ کر بلند آواز میں پوچھا۔ تم ان لوگوں کا تعاقب کیوں کر رہے ہو؟ اس کے جواب میں تعاقب کرنے والوں میں سے ایک شخص نے جس کا سر اور چہرہ ہمی خود میں چھپا ہوا تھا اور اپنے لباس سے بغداد کی فوج کا افسر معلوم ہوتا تھا، آگے بڑھ کر کہا۔ یہ خوارزم شاہ کے جاسوس ہیں۔ تم ہمارا راستہ مت روکو!

تم خلیفہ کے سپاہی معلوم ہوتے ہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ خلیفہ اور خوارزم شاہ کے درمیان ایک دوستانہ معاملہ ہو چکا ہے۔

یہ باتیں ہم بہتر جانتے ہیں۔ تم ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ! ورنہ ہم تمہیں ٹھنے پر مجبور کر دیں گے!

نہیں، جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ انہوں نے کیا جرم کے اے۔ ہم ان کے حفاظت کر دیں گے۔

ہمیں شک ہے کہ وہ خوارزم شاہ کے پاس جا رہے ہیں۔

تمہیں مخفی شک کی بنا پر لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور خوارزم شاہ کے پاس جانا جرم نہیں۔

تو پھر مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ!

طاہر نے جواب دیا۔ مسلمان کی جان بہت قیمتی ہے۔ بہتر یہی ہے واپس چلے جاؤ۔ تم اعداد میں پندرہ بیس زیادہ ہو لیکن میرے ساتھ وہ سپاہی ہیں جو کئی میدانوں میں اپنے بازو آزما چکے ہیں۔ ہم تمہیں اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم خلیفہ کے دشمن نہیں۔

تم یہیں ٹھہر جاؤ۔ میں ایک آدمی ان کی طرف بھیجا ہوں۔ اگر وہ ہماری تسلی نہ کر سکتا تو ہم انہیں خود پکڑ کر بغداد لے جائیں گے۔ طاہر نے عبدالملک کو اشارے سے اپنے قریب بُلا یا اور کہا۔ آپ جا کر دریافت کیجئے، وہ کون ہیں؟

فوجی افسر نے کہا۔ لیکن تم کون ہو؟

طاہر نے جواب دیا۔ گھبراو نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ تاتاری نہیں۔

اگر تم تاتاری ہوتے تو ہمارا راستہ کبھی نہ روکتے!

خوف کے باعث یا دوستی کی وجہ سے؟

افسر نے قدرے تذبذب کے بعد گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ تمہارا لہجہ اور تمہاری آواز کسی ایسے آدمی سے ملتے ہیں جسے میں جانتا تھا۔ وہ بھی تمہاری طرح ہر معاملے میں ٹانگ اڑایا کرتا تھا۔

شاید میری صورت بھی اس سے ملتی ہو اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں ہی وہ آدمی ہوں۔

وہ مرچکا ہے!

کبھی کبھی مردے بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں!

تم بالکل طاہر بن یوس کی طرح بولتے ہو!

طاہر بن یوسف مرچکا ہے اور آج اس کا ایک دوست اس کا پیچھا کرتے کرتے ملک عدم کی حدود میں پاؤں رکھ چکا ہے۔ تمہاری آواز اور تمہارا لہجہ ایک ایسے آدمی سے ملتا ہے جس نے عہدے کے لائق میں اپنے دوستوں کو پکڑوانے کا وعدہ کیا تھا۔

تم کون ہو؟

اگر تم دوستوں کو بھول جانے کے عادی نہیں تو شاید مجھے پہچان لہو۔

طاہر نے یہ کہتے ہوئے خود اٹار دیا۔

طاہر----- تم-----؟

ہاں۔ افضل کیا تم مجھے اپنی صورت نہیں دکھاؤ گے؟

ابھی تمہیں شک ہے تو ذرا آگے آ جاؤ!

لیکن تمہیں تو-----؟

ہاں مجھے زہر دیا گیا تھا لیکن ہر زہر مہلک نہیں ہوتا!

ظاہر خدا شاہد ہے کہ میں اس سازش میں شریک نہ تھا اور تمہیں پکڑوانے کے لیے میں نے کوئی سازش نہیں کی!

ظاہر نے خود سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں پکڑوانے کا موقع ہی نہ ملا۔ کیا میں پوچھ سنا ہوں کہ اب تم کس نیت سے یہاں پہنچ ہو اور یہ لوگ جن کا تم پیچھا کر رہے ہو، کون ہیں؟

میں تمہیں کچھ نہیں بتا سنا۔ صرف یہ کہہ سنا ہوں کہ تم نے میرا راستہ روک کر سپہ سالار کے احکام میں مداخلت کی ہے؟
سپہ سالار! وہ کہاں ہے!
میں یہ نہیں بتا سنا۔

تو تمہاری خیراسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ۔

تم جانتے ہو کہ میں بُرول نہیں

جب تک تم غدار نہ تھے میری یہی رائے تھی لیکن غداری اور بہادری ایک ہی وجود نہیں ہو سکتیں۔

مجھے صرف ان لوگوں کے تعاقب کا حکم تھا۔ اگر راہ چلوں پر توار اٹھانے کی اجازت ہوتی تو تم مجھے بزدلی کا طعنہ نہ دیتے!

جب تم جانتے ہو کہ ہماری لاشیں روندے بغیر تم ان کا پیچھا نہیں کر سکتے تو تم واپس کیوں نہیں چلے جاتے؟

افسر نے کوئی جواب نہ دیا اور تذبذب کی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں عبد الملک گھوڑا دوڑاتا ہوا ظاہر کے قریب پہنچا اور افضل کی طرف نیزہ تان کر جملے کے لیے تیار ہو گیا۔

طاہر نے کہا۔ عبدالمالک اڑانی کی ضرورت نہیں، یہ ہمارے دوست افضل ہیں
اور غالباً واپس جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

عبدالمالک نے جواب دیا۔ یہاں اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ افضل تیا
ر ہو جاؤ!

نہیں۔ نہیں عبدالمالک ٹھہرو! طاہر چلا�ا لیکن عبدالمالک نے اس کی طرف توجہ
دیے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا کر افضل پر حملہ کر دیا افضل نے بچاؤ کی کوشش کی لیکن عبد
المالک کا نیزہ اس کے سینے کے آر پار ہو گیا۔

طرفین پر ایک الحکم کے لیے سکتہ طاری ہو گیا۔ عبدالمالک گھوڑا موڑ کر ان کے
درمیان آ کھڑا ہوا اور افضل کے ساتھیوں کو مناسب کرتے ہوئے ٹکند آواز میں بولا۔
تم میں سے اور کون ہے جو خلینہ کا نمک حلال کرنا چاہتا ہے؟ یہ خشک زمین منافقوں،
بُردوں اور غداروں کے ڈون کے لیے ترس رہی ہے۔ میری طرف دیکھو، میں عبد
المالک ہوں۔ شاید تم میں اسے اکثر مجھے پہچانتے ہوں۔ عبدالمالک نے ایک الحکم کے
لیے خود اٹا کر پھر سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ اے کاش! تم جینا اور مرنا جانتے۔ تم کمزور
کے سامنے شیر اور طاقتوں کے سامنے بھڑیں بن جاتے ہو۔ تم عورتوں پر تیر بر ساتے
ہو لیکن مردوں کو دیکھ کر تمہارے ہاتھ کا نپتے ہیں۔ جاؤ جاؤ کراپنے سپہ سالار سے کہو کہ
جس جنگل میں وہ شکار کھلینے آتا ہے وہاں خرگوش نہیں، چیتے رہتے ہیں۔ خوارزم شاہ
کے ساتھ چند آدمی ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک ہزاروں سے اڑنا جانتا ہے۔ جاؤ
اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ ہماری تلواریں تمہارے خون سے شرمائیں گی تو میں شاید
تمہیں بھاگنے کا موقع نہ دیتا۔

افضل کے ساتھ یکے بعد دیگرے ھسکنے لگے اور تھوڑی دیر میں میدان خالی ہو

گیا۔

عبدالملک طاہر کے قریب آیا۔ اس کے چہرے سے وحشت پیک رہی تھی۔
جلدی چلیے، صفیہ آپ کا انتظار کر رہی ہے!

صفیہ!

چلیے وہ زخمی ہے۔

طاہر نے دوسرا سوال کیے بغیر گھوڑا سر پٹ چھوڑ دیا۔
پیاری پر چڑھتے ہوئے جب گھوڑے کی رفتار کم ہوئی تو اس نے عبدالملک
سے سوال کیا۔ وہ کہاں ہے؟

میں انہیں اس پیاری کے پیچھے ندی کے کنارے چھوڑ آیا ہوں۔
زخم خطرناک تو نہیں؟

اسے دو تیر لگے ہیں۔ ایک کا زخم معمولی ہے لیکن دوسرا بڑی طرح اسکی پسلی
میں پیوست تھا۔ میں نے نکال دیا ہے۔ لیکن-----!
لیکن کیا؟
خدا خیر کرے۔

(۵)

صفیہ پتھر سے بیک لگائے بیٹھی تھی۔ سعیدا سے پانی پلا رہا تھا۔ طاہر کو دیکھا تو وہ
اٹھ کھڑی ہو گئی۔ وہ گھوڑے سے کو درپڑا۔ صفیہ چند قدم آگے بڑھی لیکن آنکھوں تکے
اندھیرا چھا گیا۔ وہ اٹھ کھڑا کر گرنے کو تھی کہ طاہر نے بھاگ کر اسے اپنے بازوں کا
سہارا دیا اور آہستہ سے زمین پر لوا دیا۔

صفیہ! تم یہاں کیوں آئیں؟ طاہر نے درد بھری آواز میں کہا۔

صفیہ نے اپنے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ اب ان باتوں کا وقت نہیں۔ دیکھیے یہ ندی کس قدر چھوٹی ہے لیکن اس کا پانی کس قدر شفاف ہے۔ دریائے وجہ بہت بڑا ہے لیکن اس کے گدلے پانی سے اکتا گئی تھی۔ آپ کے گاؤں کے نخلستانوں میں بالکل اس قسم کی ندیاں بہتی ہوں گی۔ ٹھنڈے میٹھے اور شفاف پانی کی ندیاں۔ میں ان کی تلاش میں یہاں پہنچ گئی۔

طاہر نے چند ساتھی اس کے قریب آپنے عبد الملک انہیں کر لے ایک طرف ہو گیا۔

صفیہ نے کہا۔ آپ مغموم کیوں ہیں۔ میری طرف دیکھیے۔ میں خوش ہوں۔ ہاں، میں اس ندی کے متعلق کہہ رہی تھی۔ اگر میں مر جاؤں تو مجھے اس ندی کے کنارے چھوڑ جائیں۔

نہیں۔ نہیں صفیہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تمہارے زخم معنوی ہیں میں تمہیں ان نخلستانوں میں لے جاؤں گا جن میں ٹھنڈے، میٹھے اور شفاف پانی کی ندیاں بہتی ہیں۔ اب حادث کے طوفان کی کوئی لہر ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گی! صفیہ نے کہا۔ اور ہم پر سچ گھوڑوں پر سوار ہو کر عحراء کی طرف سیر کے لیے جایا کریں گے۔

ہاں صفیہ! میں وعدہ کرتا ہوں۔

اور میں آپ کے ساتھ نیزہ بازی کی مشق کیا کروں گی اور پھر میں نخلستانوں میں پھول تلاش کیا کروں گی۔ اور جب آپ اڑائی کے لیے جایا کریں گے تو میں ریت کے ٹیلوں پر چڑھ کر آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔

ہاں صفیہ!

صفیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نہلے۔ اس نے بچکی لیتے ہوئے کہا۔ اب مجھے موت کا کوئی غم نہیں۔ آپ میرے ہیں! آپ میرے ہیں!! اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

صفیہ! صفیہ!! طاہر نے آب دیدہ ہو کر کہا۔

صفیہ نے آنکھیں کھولیں لیکن کوئی جواب نہ دیا۔ طاہر نے عبد الملک کو آواز دی۔ وہ بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ طاہر نے کہا۔ اسے غش آگیا ہے۔ پانی لاو!

پانی کے چند گھونٹ حلق سے اُتارنے کے بعد صفیہ کے چہرے پر کچھ تازگی آگئی۔ اس نے خیف آواز میں کہا۔ شاید میں سو گئی تھی۔ اس نخلستان میں۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ شفاف پانی کا چشمہ پھوٹ رہا تھا۔۔۔۔۔ میں وہاں کھڑی تھی۔۔۔۔۔ اور آپ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ کہیں۔۔۔۔۔ بہت۔۔۔۔۔ ذور۔

اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر نیلا ہٹ چھارہ تھی۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ آپ دیرنہ لگائیں فوج یہاں سے۔۔۔۔۔ ایک منزل۔۔۔۔۔ دوڑ۔۔۔۔۔!

عبد الملک نے اس کی بیض پر ہاتھ رکھا اور پھر طاہر کی طرف دیکھی، اور ان اللہ وانا الیہ راجعون، کہہ کر سر جھکا دیا۔ طاہر دنیا و ما فیہا سے بے خبر اس محبت و وفا کے پیکر جسم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عبد الملک نے صفیہ کے چہرے پر اپنارو مال ڈال دیا اور طاہر کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔ طاہر! اٹھو! حوصلے سے کام لو!

طاہر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عبد الملک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت پک رہی تھی۔ عبد الملک نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے ہاتھ پھیلایا دیے۔ طاہر بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ کر سکیاں لینے لگا۔

عبدالملک نے کہا۔ طاہر! شاید دنیا میں کوئی انسان اس قابل نہ تھا جس کے لیے وہ زندہ رہتی!

تموڑی دیر بعد طاہر کے ساتھی ندی کے کنارے اس کی لاش کو پتھروں کے انبار کے نیچے فن کر چکے تھے۔ طاہر نے چند جنگلی پھول پھنے اور صفیہ کی قرب پر بکھیر دیے۔

عبدالملک نے کہا۔ چلو طاہر۔ اب دیر ہو رہی ہے۔
طاہر نے گھوڑے پر سوار ہو کر سعید سے پوچھا۔ سپہ سالار کتنی فوج کیسا تھا آرہا ہے۔

بیس ہزار کے ساتھ!
طاہر نے عبدالملک سے کہا۔ وزیر اعظم کا خط مجھے دو!
طاہر نے خط پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد کہا۔ تو مہلب وہاں پہنچ چکا ہے۔
اب بنداد کا خدا حافظ!

عبدالملک نے کہا۔ مجھے ڈر ہے کہ سلطان نے ہمارے مشورے کے خلاف بنداد کا رُخ نہ کر لیا ہو۔ ہمیں ان کے پاس جلد پہنچنا چاہیے۔

چلو! طاہر نے گھوڑے کو ایڑا لگاتے ہوئے کہا۔
راستے میں سعید سے چند سوالات پوچھنے کے بعد طاہر کو پتہ چلا کہ وہ راستے میں سپہ سالار کی فوج سے کتر آ کر نکل آئے تھے لیکن ہراول کے ایک دستے نے انہیں ایک پیاری پر سے گزرتے دیکھ کر تعاقب شروع کر دیا تھا۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے ساتھ قریباً اڑھائی ہزار جانباز تھے۔
بغداد سے قشمور کی قیادت میں بیس ہزار سپاہیوں کی آمد کی خبر سننے ہی اس نے دو ہزار
سپاہیوں کو گھات میں بٹھا دیا اور خود پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک
پیاری پر خلینہ کی انواج کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں اسے کبریٰ کے خلینہ کا ایک
اور سالا رمظفر الدین دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ شامی مشرق سے اس کے گرد گھیرا
ڈالنے کے لیے یلغار کر رہا ہے۔

وزیر اعظم کا مکتوب پڑھنے اور طاہر، عبد الملک اور سعید سے چند سوالات
پوچھنے کے بعد جلال الدین کو یقین ہو چکا تھا کہ خلینہ کے سپاہی اسے ہر قیمت پر
گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ یہاں سے بچ کر نکل گیا تو بھی وہ اس
وقت تک اس کا تعاقب کریں گے جب تک وہ تاتاریوں کے ہاتھ میں آ جاتا۔

جب قشمور کی فوج دکھائی دی تو سلطان نے طاہر کے ہاتھ میں صلح کا جھنڈا
دے کر اسے صلح کی بات چیت کے لیے بھیج دیا۔

طاہر نے قشمور کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ اول تو بغداد جانے کے لیے
راستہ نہ رو کا جائے۔ سلطان کو یقین ہے کہ خلینہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ اس کی
غلط فہمیاں دور کرے گا اور نہ اسے یہاں ٹھہر کر خلینہ سے پیغام رسانی کا موقع دیا
جائے اور اگر یہ دونوں درخواستیں ناقابل قبول ہوں تو سلطان واپس جانے کے لیے
تیار ہے بشرطیکہ اس کا پیچھانہ کیا جائے۔

خشمور جلال الدین کے ساتھ صرف پانچ سو آدمی دیکھ کر اپنی قوتِ تغیر کا
منظورہ کرنے پر ٹلا ہوا تھا۔ اس نے بے اعتمانی سے جواب دیا۔ ہمارا پھرنا اور آخری
فیصلہ یہی ہے کہ سلطان اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دے ورنہ مقابلہ کے لیے تیار

ہو جائے۔

طاہر نے اسے سمجھا نے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن قشمور نے سُنبی ان سُنبی ایک کر دی۔ اس نے اس کے باقی جرنیلوں سے اپیل کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ طاہر نے مایوس ہو کر کہا۔ میں تمہارے پاس دوستی اور محبت کے پھول لے کر آیا تھا لیکن تم عداوت کے کانٹوں کے لیے دامن پھیلایا رہے ہو۔ میں صُلح کا ایچی بن کر آیا تھا لیکن تم جنگ چاہتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری خواہش پوری کی جائے گی۔ افسوس! سب کچھ کھو بیٹھنے کے باوجود مسلمان اس بات پر ختر کر سکتے تھے کہ دنیا میں ان جیسا مہماں نواز کوئی نہیں لیکن آج یہ سعادت بھی اہل بغداد سے چھن گئی۔ جلال الدین اڑائی سے نہیں ڈرتا لیکن آج وہ تواریخ بارہا تاریوں کے خون میں ڈوب چکی ہے۔ مسلمانوں کی تواریخ سے ٹکراتے ہوئے یقیناً شرمائے گی۔ خدا معلوم اس اڑائی کا نتیجہ کیا ہو گا تم گواہ ہو کہ ہم اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہ ہمارے سر تھوپی جا رہی ہے۔

قشمور نے کہا۔ جاؤ ہمیں اس اڑائی کا نتیجہ معلوم ہے اور ایک ساعت کے اندر اندر تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔

طاہر نے گھوڑے کی باغ سنپھالتے ہوئے کہا۔ مجھے صرف ایک بات معلوم ہے اور وہ یہ کہ خوارزم کی طرح بغداد کی عظمت کے دن بھی گئے جا چکے ہیں اور ہم میں سے کسی ایک کی فتح دونوں کی نشکست ہو گی!

طاہر نے گھوڑے کو ایڑ لگادی اور آن کی آن میں سلطان کے پاس پہنچ گیا۔

قشمور کی فوج کے عرب سپاہیوں کے لیے مہماں نوازی کے متعلق طاہر کا طمعنا نا قابل برداشت تھا۔ ان میں سے اکثر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اڑائی میں حصہ نہیں لے

گے۔ ایرانی اور ترک سرداروں میں سے بھی بعض تذبذب تھے اس لیے قشمور نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے فوراً حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

جلال الدین نے اپنے عقب میں چھپی ہوئی فوج کو ہدایت بھیج کر قشمور کی فوج کا مقابلہ کیا۔ بغداد کی فوج کے قلب اور دونوں پہلوؤں پر چن دھملے کرنے کے بعد اس نے پسپانی شروع کر دی۔ قشمور نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سلطان میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ اس کا پیچھا کیا۔ سلطان رُک کر رہتا ہوا قشمور کی فوج کا بیشتر حصہ ان دُشوار گزار پیاریوں میں لے آیا جہاں اس کے تیر انداز گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک اپنے آگے پیچھے، دائیں اور بائیں پتھروں اور تیروں کی بارش دیکھ کر قشمور نے محسوس کیا کہ اس نے سلطان کی فوج کی تعداد کا اندازہ لگانے میں دور انداشتی سے کام نہیں لیا۔ تنگ گھاٹیوں میں وہ اپنی فوج کے نصف سے زیادہ سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر پیچھے مڑا۔ واپسی پر قریباً تین کوس تک راستے کے ہر ٹیلے سے تیروں اور پتھروں کی بارش میں سے گزرنے کے بعد اس نے دوبارہ مُرد کر دیکھنے کی جرأت نہ کی۔

چند کوس قشمور کا تعاقب کرنے کے بعد سلطان واپس چلا آیا۔ راستے میں مظفر الدین کے دس ہزار سپاہیوں سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی۔ مظفر الدین کی فوج قشمور کی شکست کے بعد بد دل ہو چکی تھی۔ اس نے معمولی مقابلے کے بعد تھیار ڈال دیے۔

ان فتوحات کے بعد رضا کاروں کے دستے جو ق در جو ق سلطان کی فوج میں داخل ہونے لگے اور چند ماہ میں اس کے سپاہیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ تبریز کو گورنر تاریوں کا حلیف تھا۔ سلطان نے اُسے غداری کی سزادی نے کے لیے

تبریز کی طرف پیش قدمی کی۔ گورنر تاتاریوں کی مدد کا انتظار کیے بغیر بھاگ گیا اور سلطان نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ تبریز پر قابض ہونے کے بعد سلطان نے آس پاس کے چند اور علاقوں فتح کیے۔ اس اثنامیں اُسے بغداد کے خلیفہ الناصر الدین اللہ کی وفات اور اُس کے بیٹے ظاہر کی منڈشیں کی خبر ملی۔

ایک اور کوشش

ناصر کی وفات کی خبر ملتے ہی سلطان نے طاہر اور عبدالملک کو بُلا کرنے خلینہ طاہر کی عادات و خصائص کے متعلق چند سوالات پوچھے۔ طاہر نے سلطان کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ میں طاہر سے صرف ایک بار ملا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک کمزور آدمی ہے لیکن بد طینت نہیں۔ وہ اپنے باپ کی طرح تاتاریوں کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔

عبدالملک نے کہا میں اسے مدت سے جانتا ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ عالم اسلام کے اتحاد کا بہت حامی ہے۔ جہاں تک خیالات کا تعلق ہے، وہ اپنے باپ کی ضد ہے لیکن وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے والوں میں سے نہیں۔ تاہم بغداد میں اگر کوئی صحیح رہنمائی کرنے والا ہو تو اس سے بہت کام لیا جاسنتا ہے!

سلطان نے کہا میرے خیال میں تم دونوں اس کے لیے بہترین مشیر بن سکتے ہو۔ اگر میں تمہیں اپنے اپنی بنا کر اس کے پاس بھیجوں تو وہ یقیناً تمہاری باتوں پر توجہ دے گا۔ بغداد میں تاتاریوں کا اثر و رسوخ بہت بڑھ چکا ہے اور بغداد کی غیر جانب داری کے باعث اہل مصر اور شام ہمارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ تم بغداد جاؤ۔ خلینہ طاہر کو تاتاریوں کے خلاف تمام اسلام ممالک کی رہنمائی کے لیے آمادہ کرو اور انہیں یقین دلاؤ کہ جب تم میں زندہ ہوں، تاتاریوں کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول رکھوں گا۔ اگر وہ چاہیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بغداد میں تمام اسلامی ممالک کی افواج اکٹھی کر سکتے ہیں اور انہیں یہ بھی بتاؤ کہ جس دن ہم بغداد، مصر، عرب اور شام کی افواج کے ساتھ تاتاریوں پر حملہ کریں گے، اسی دن ہندوستان میں ہمارا حلیف سلطان انتش تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دے گا۔

اور ایران، ترکستان اور خراسان کے عوام جب تک دبے ہوئے ہیں، اچانک اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجھے اب یہ احساس ہوا ہے کہ مجھے اعانت کے لیے کسی کے پاس جانے کی بجائے یہاں رہ کر اپنا فرض پورا کرنا چاہیے۔ اگر میں اس بے سروسامانی کی حالت میں چند برس تاتاریوں کے ساتھ لڑتا رہا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ مسلمان میری امداد کے لیے ضرور آئیں گے۔ چند دنوں تک آذربائیجان سے دس پندرہ ہزار اور سپاہی میرے ساتھ آ ملیں گے اور فوج کی اتنی تعداد کے ساتھ میں انہیں کم از کم دو برس اور پیشان کرتا رہوں گا۔ اس عرصہ میں تم سارے عالم اسلام کو جگا سکتے ہو!

ہم تیار ہیں۔ طاہر اور عبد الملک نے یک زبان ہو کر کہا۔
سلطان نے کہا۔ مبارک کو میرے پاس رہنے دو، وہ صرف ایک سپاہی ہے اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔

چند دن بعد طاہر اور عبد الملک بغداد پہنچ چکے تھے۔ خلینہ طاہر نے ان کی آمد سے باخبر ہوتے ہی انہیں ملاقات کے لیے بلالیا۔

پہلی ملاقات کے بعد طاہر نے جلال الدین کے نام جو خط لکھا، اس کا منہوم یہ تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمیں اپنی توقع سے زیادہ کامیابی ہوتی۔

مہلب جوزارتِ عظیمی کا امیداوار تھا۔ خلینہ سے ہماری ملاقات کے بعد اچانک روپوش ہو گیا ہے۔ خلینہ نے فوج کی تنظیم کا کام عبد الملک کے سپرد کر دیا ہے اور میرے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کا اپنی بن کر شام، مصر، عرب، مراکش اور اندلس جاؤں۔ میں کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔

حج چونکہ قریب تھا۔ اس لیے عبدالمالک نے طاہر کو مشورہ دیا کہ تم سب سے پہلے مکہ جاؤ۔ وہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوں گے اور تمہارے لیے جہاد کی تبلیغ کا بہترین موقع ہوگا، اس کے علاوہ راستے میں تم اپنے گھر بھی جاسکو گے۔

(۲)

ایک دن شام سے کچھ دیر پہلے زید ایک خوب صورت بچ کو اٹھائے نخلستان سے باہر کھلائی فضا میں ٹھیل رہا تھا۔ اچانک اسے کچھ فاصلے پر ایک سوار سر پٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔ زید چند قدم آگے بڑھ کر اس کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔ سوار نے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور چہرے سے اپنی نقاب سر کا کروپ کر دیا۔ زید نے طاہر! طاہر!! کہتے ہوئے بھاگ کر ایک ہاتھ سے اس کے گھوڑے کی باغ پکڑ لی۔ بچہ اس غیر متوقع بाचل سے گھبرا کر ایک لمحہ کے لیے منہ ب سورنے کے بعد بلک بلک کرو نے لگا۔

زید نے جلدی سے گھوڑے کی باغ چھوڑ کر اسے تھیکتے ہوئے کہا۔ واہ! اپنے ابا کو دیکھتے ہی میری شکایت شروع کر دی اور آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اتر کر اسے پچ کیوں نہیں کرتے؟

طاہر نے گھوڑے سے اتر کر بچے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا بچہ اچانک خاموش ہو گیا اور اس کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد اس کی چمکتی ہوئی زرہ پر ہاتھ مارنے لگا۔

میں گھر خبر دیتا ہوں۔ زید نے یہ کہہ کر گھوڑے کی باغ پکڑ لی اور نخلستان کی طرف بھاگنے لگا۔

طاہر نے آہستہ آہستہ چند قدم نخلستان کی طرف اٹھائے اور پھر ڈکر بچے کی

طرف دیکھنے لگا۔ بچہ اب زرہ سے توجہ ہٹا کر خود کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا رہا تھا۔
طاہر نے سر جھٹکا دیا۔ بچے کے نئھے نئھے زم اور خوب صورت ہیا تھا اس کے گالوں
سے لگے، اس کے دل میں ایک اطیف اور خوش گوار و ہھڑکن پیدا ہوئی اور اس نے
بچے کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونتوں سے لگا لیے۔ جھوڑی دیر کے لیے اس کی
ساری توجہ اور محبت سمٹ کر بچے کے نئھے معصوم اور خوب صورت چہرے پر مرکوز ہو گئی
وہ بے اختیار اس کے گالوں، اُس کے ہونتوں، اس کی پیشانی اور اس کی آنکھوں پر
بو سے دے رہا تھا۔ میرا بیٹا! میری زندگی!! میری روح!!!

طاہر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا گھر کے دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔
اگر آپ نے چند دن اس طرح پیار کیا تو یہ بگڑ جائے گا۔ طاہر نے چونک کر
سامنے دیکھا۔ ثریا چند قدم کے فاصلے پر دروازے سے باہر ایک کھجور کے درخت
کے نیچے کھڑی مسکرا رہی تھی۔
ثریا میری۔۔۔۔۔؟

ثریا نے جلدی سے اپنے ہونتوں پر انگلی رکھتے ہوئے دروازے کی طرف
اشارہ کیا۔ طاہر نے پریشان سا ہو کر دروازے کی طرف دیکھا۔ چند قدم دُوراحمد بن
حسن، شیخ عبدالرحمٰن سعیدہ اور خلیفہ صحن سے دروازے کی طرف آرہے تھے۔ طاہر
نے جلدی سے آگے بڑھ کر بچے کو ثریا کے سپرد کیا اور مکان کے صحن میں داخل ہوا۔
گھر کے افراد اور طاہر کے درمیان ابھی آٹھو دس گز کا فاصلہ تھا کہ نخلستان کے ایک
طرف سے اسماعیل اور امین بھاگتے ہوئے نمودار ہوئے اور طاہر کے ساتھ لپٹ
گئے۔

اسماعیل ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ہم تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے کہ زید

نے آپ کے آنے کی خبر دی۔

جب گھر کے تمام افراد طاہر کے گرد حلقوہ بنائے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے تو اسماعیل نے شیخ کی طرف ایک شرارت آمیز قبضہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ناجان! آپ نے پہچانا نہیں؟ یہ بھائی طاہر ہیں!

شیخ غصب ناک ہو کر عصا باند کرتے ہوئے چلایا۔ ٹھہرو! نالائق!! اور اسماعیل بھاگتے ہوئے کئی گزر دُور جا کر فنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ حنفیہ زیریں مسکرا رہی تھی لیکن حنفیہ اور سعیدہ نہ تو شیخ کے غصے کی وجہ جان سکیں نہ اسماعیل کے قہقہوں کا راز

(۳)

عشاء کی نماز کے بعد طاہر کے ارادوں سے واقف ہو کر ثریا نے حج اور اس کے بعد اسلامی ممالک کی تبلیغی مہم میں طاہر کا ساتھ دینے کی خواہش طاہر کی۔

سعیدہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ثریا کے متعلق میں جو کچھ سن چکی ہوں، اس سے میرا اندازہ ہے کہ وہ تمہاری بہت بڑی مددگار ثابت ہو گی۔

شیخ نے کہا۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں لیکن بچہ؟

سعیدہ نے کہا۔ وہ میرے پاس رہے گا۔ اب بھی وہ میرے سواؤ کی اور کے پاس نہیں جاتا۔

سعیدہ کے اصرار پر حنفیہ اپنی نواسی کے بیٹے کو اس کے پاس چھوڑنے پر رضا مند ہو گئی۔

اسماعیل جو ایک کونے میں کھڑا تھا۔ بول اٹھا۔ میں حج کرنے کے بعد ان کے ساتھ جاؤں گا۔

شیخ نے کہا۔ چپ رہو۔ یہ تمہاری تعلیم کا زمانہ ہے۔

احمد بن حسن نے کہا۔ آپ بے حد مصروف آدمی ہیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ اسماعیل کی تعلیم و تربیت مجھے سونپ دیں۔ امین کے ساتھ اس کا دل لگا رہے گا۔

شیخ نے کہا۔ میں چند دن سے یہی سوچ رہا تھا لیکن حیران ہوں کہ اس ناالائق کے بغیر میرا دل کیسے لگے گا۔ میں اس کی شو خیوں اور شرارتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ میں جس قدر اس کے قہقہوں سے خفا ہوتا ہوں۔ اسی قدر انہیں سننے کے لیے یہ قرار رہتا ہوں۔ یہ میرے بڑھا پے کی زندگی کا ایک جزو بن چکا ہے۔ بچپن میں یہ میرے ہوتے چھپا دیا کرتا تھا اور اب ان میں کھجوروں کی گٹھلیاں ڈال دیتا ہے۔ میں خفا ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ یہی یہ سوچتا ہوں کہ اگر یہ اس قسم کی شرارتیں نہ کرتا تو میری زندگی کس قدر بے کیف ہوتی۔ لیکن تعلیم کے لیے مجھے اس کو آپ کے پاس چھوڑنا ہی پڑے گا۔ ادھر آؤ اسماعیل!

اسماعیل ندامت سے سر جھکائے آگے بڑھا اور شیخ نے پیار سے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ بیٹا! میں حج کے بعد تمہیں یہاں چھوڑ دوں گا لیکن اس شرط پر کہ تم ہفتے میں دوبار شہر میرے پاس ضرور آیا کرو گے!

بیٹا! میرا کارو بارا تناوی سعی ہے کہ اسے سمئنے کے لیے بھی ایک مدت چاہیے! تو میں ہر روز آپ کے پاس آیا کروں گا۔ شام کو میں اور امین گھوڑوں پر سوار ہو کر صحراء کی طرف جانے کی بجائے شہر چلے جایا کریں گے۔ بہت اچھا! میں ہر روز تمہاری طرف سے ایک نئی شرارت کے لیے تیار رہا کروں گا۔

ناجان! اسماعیل نے آب دیدہ ہو کر کہا۔ مجھے معاف کیجیے۔ میں آئندہ کبھی

شرط نہیں کروں گا!

نانا جان! اسماعیل نے آب دیدہ ہو کر کہا۔ مجھے معاف کیجیے۔ میں آئندہ بکھی
شرط نہیں کروں گا!

رات کے وقت شیخ عبدالرحمٰن اپنے بستر پر نیم خوابی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا۔
کمرے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے کہا۔ کون ہے؟

نانا جان! میں ہوں۔ اسماعیل نے سہی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟

نانا جان! --- میں ---!

ہاں کھو!

نانا جان! معاف کیجئے، آپ کے ساتھ آہنده کوئی شرارت نہ کرنے کا وعدہ
کرنے سے پہلے میں ایک شرارت کر چکا تھا۔

میرے موزوں میں پھر گھنڈلیاں ڈال دی ہوں گی۔ اچھا جاؤ میں صبح نکال لوں
گا۔

نہیں نانا جان! میں خود نکال دیتا ہوں۔

تمہوڑی دیر شیخ کے بستر کے نیچے تاریکی میں ہاتھ مارنے کے بعد اسماعیل نے
کہا۔ نانا جان! اگر اجازت ہو تو شمع لے آؤں۔ مجھے تمام جو تے نہیں ملتے۔

شیخ نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی سعادت مندی کا ثبوت دینے پر ملے بیٹھے
ہو۔ جاؤ لے آؤ شمع!

اسماعیل دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ تمہوڑی دیر بعد جب وہ شمع ہاتھ میں لے
کر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ امین بھی تھا۔ اسماعیل نے امین کے

ہاتھ میں شمع دیتے ہوئے تمام بُو تے اکٹھے کر کے انھالیے۔ شیخ نے پریشان ہو کر
سوال کیا۔ اب یہ تمام جوتے باہر کیوں لے جارہے ہو؟
اسماعیل نے پریشان سا ہو کر جواب دیا۔ وہونے کے لیے ناجان!
وہونے کے لیے؟

ہاں ناجان! بات یہ ہے کہ آج میں نے ان میں گھنٹلیوں کی بجائے رس دار
کھجوریں ڈال دی تھیں۔

ٹھہر و نالائق! شیخ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
اسماعیل اور امین جلدی سے باہر نکل گئے۔

(۲)

سونے سے پہلے ثریا نے طاہر سے کہا۔ آپ نے ابھی تک اپنے بیٹے کا نام
نہیں پوچھا؟

طاہر نے جواب دیا۔ میں نے وہی سے رخصت ہوتے ہوئے ایک نام بتا دیا
تھا۔ تم نے عبدالعزیز کے سوا کوئی اور نام تو نہیں رکھ دیا؟
نہیں، میں نے یہی نام رکھا ہے!

طاہر نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ وہ میرا بہترین دوست تھا۔
آپ نے ایک وعدہ پورا نہیں کیا۔

طاہر نے پوچھا۔ وہ کیا؟

ثریا نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر
آپ کو بندگی مل جائے تو؟
ثریا! یہ قصہ نہ چھیڑو!

میں شام سے آپ کو بہت پریشان دیکھ رہی ہوں۔ آپ کے چہرے پر وہ پہلی
سی ابشار شست نہیں، بتائیئے کیا ہوا؟

ثریا! یہ بہتر ہوتا کہ آج تم یہ قصہ نہ چھینگر تیں؟

مجھے معاف سمجھنے۔ اگر وہ میری وجہ سے آپ کے ساتھ خفا ہو گئی ہے تو میں خود
بغداد جا کر اُسے منالوں گی۔

طاہر نے درد بھری آواز میں کہا۔ اسے منانا اب کسی کے بس میں نہیں۔ وہ مجھ
سے بہت دور جا چکی ہے۔

کیا اس کی شادی کسی اور۔۔۔۔۔۔؟ نہیں نہیں۔ ٹریا! وہ اس دُنیا میں نہیں۔
اوہ! معاف سمجھنے۔

طاہر نے اُنھتے ہوئے کہا۔ میں ذرا باہر گھوم آؤں۔ اور وہ باہر نکل گیا۔ چاند کی
روشنی کھجور کے درختوں میں سے چھپن چھپن کر آ رہی تھی۔ طاہر باہر نکل کر ایک رگرے
ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔ وہ چاند کی روشنی اور تاروں کی چھاؤں میں صفائی
کے ساتھ گزری ہوئی ملاقاتوں کا تصور کر رہا تھا۔ چاند کی مسکراہٹوں اور ستاروں کے
قہقہوں کے باوجود فضائیں ایک اُداسی سی محسوس کر رہا تھا۔ وہ دیر تک بیٹھا رہا۔ آخر
کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور اُنہوں کر کھڑا ہو گیا۔

ٹریا!

ٹریا نے جھمکتے ہوئے کہا۔ آپ مجھ سے خفا ہیں؟

نہیں ٹریا! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں پریشان کیا۔ ٹریا آگے بڑھی۔ اس
نے بے اختیار رہا تھا پھیلایا دیے اور وہ اس سے لپٹ کر بچکیاں لینے لگی۔

مجھے بتائیئے، اُسے کیا ہوا؟ کاش میں اپنی جان پر کھیل کر اُسے واپس لا سکوں

- میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن آپ کے چہرے پر ہلکا سامال بھی
برداشت نہیں کر سکتی ۔۔۔!

طاہر شریا کو ساتھ لے کر پھر اسی درخت کے تنے پر بیٹھ گیا اور بولا۔ شریا! تم میں
وہ سب کچھ ہے جس کی ایک انسان تمنا کر سوتا ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ زندگی کے
کسی حادثت نے مجھے تم سے بے پروا کر دیا ہے لیکن صفیہ کی موت ایک ایسا واقعہ
نہیں جسے میں جلد بھول سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری مسکراہٹ میرے ہر خم
کے لیے مرہم کا کام دے سکتی ہے لیکن صفیہ کی موت کے بعد اکثر میرے دل میں یہ
خیال آتا ہے کہ مجھے شاید اس دنیا میں خوش ہونے کا کوئی حق نہیں۔ ایک ایسی
مسکراہٹ کی یاد جس میں اشکوں اور آہوں کے ہزاروں طوفان پہاں تھے، مجھے
ہمیشہ بے چین رکھے گی!

شریانے کہا۔ میں اس کے متعلق سنتا چاہتی ہوں۔ شاید آپ کیدل کا بوجھ ہلکا
ہو سکے۔ میں سرت کی مسکراہٹوں میں ہی نہیں غم کے آنسوؤں میں بھی آپ کی
شریک ہوں۔

تو سُنو!

طاہر صفیہ کی داستان حیات کے آخری ورق الٹ رہا تھا اور شریا کی آنکھوں
سے آنسو روائی تھی۔

جب طاہر نے یہ قصہ ختم کیا تو شریا نے کہا۔ جب آپ اس مہم سے فارغ ہو کر
بغداد جائیں تو میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ میں اس ک ادھورا کام پورا کروں گی

بغداد اور دوسرے اسلام ممالک کے شہروں سے حوصلہ افزائی گامات نے سلطان جلال الدین اور اس کے سپاہیوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ سلطان نے آذربایجان پر یلغار کی اور بہت سے علاقے ان حکمرانوں سے چھین لیے جنہیں سلطان سے غداری کے صلے میں تاتاریوں نے حکومت عطا کی تھی۔ پھر اس نے گرجستان اور تفلیس کر رکھ کیا۔ تفلیس میں اس کی فتوحات کی رفتار حیرت انگیز تھی لیکن اچانک اسے کرمان سے براق حاجب کے باغی ہو جانے کی اطلاع ملی۔ سلطان نے اپنے ساتھ تین ہزار سوال لیکر یلغار کرتا ہوا ستہ دن میں تفلیس سے کرمان پہنچا۔ براق حاجب نے مغدرت کی اور اپنے وعدوں پر قائم رہنے کا یقین دالا۔ سلطان واپسی پر چند روز اصفہان ٹھرا۔ یہاں اسے خلینہ ظاہر کی وفات اور خلینہ مستنصر کی جائشی کی خبر ملی اور اسکے ساتھ ہی اسے یہ خبر ملی کہ تفلیس میں تاتاریوں کے ہاتھوں بکے ہوئے سرداروں نے پھر بغاوت کر دی ہے اور وہ عیسائیوں کی مدد سے آذربایجان کے شہروں پر حملہ کر رہے ہیں۔ سلطان یہ سن کر یلغار کرتا ہوا آذربایجان پہنچا اور چند ہفتوں میں باغیوں کی سرکوبی کرنے کے بعد تبریز لوٹ آیا۔

تبریز پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ تاتاریوں کی بڑی دل افواج رے کی طرف پیش قدیمی کر رہی ہیں۔ سلطان کے پاس فوج قوت سے زیادہ نہ تھی لیکن آئے دن اسے یہ خبریں موصول ہو رہی تھیں کہ ظاہر کی کوششوں سے دور دراز کے اسلامی ممالک سے رضا کاروں کے دستے بغداد میں جمع ہو رہے ہیں۔ بعض رضا کار براؤ راست تبریز کا رُخ کر رہے تھے۔

تاتاریوں کے رے پہنچ جانے کے بعد سلطان کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ تاتاری موصل کی طرف پیشیدمی کر کے بغداد اور دوسرے اسلامی ممالک سے اس کی رسدوں کمک کے راستے منقطع کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان نے یہ خدشہ بھی محسوس کیا کہ اگر تاتاری رے سے ہمدان پہنچ گئے تو ممکن ہے کہ وہ کردستان اور موصل تم ایک طویل دفعائی سورچہ بنانے کی بجائے سیدھے بغداد پر حملہ کر دیں اور عالم اسلام کا یہ آخری سورچہ بھی نابود ہو جائے۔

چنانچہ سلطان نے تاتاریوں کی تمام توجہ اپنی طرف مبذول رکھنے کے لیے اصفہان کا رُخ کیا اور چند دن کی تیاری کے بعد وہاں سے رے کی طرف کوچ کر دیا

رے کے قریب تاتاریوں کے لشکر سے مقابلہ ہوا اور جان تو حملوں سے اس نے تاتاریوں کو پیچھے ٹھنپے پر مجبور کر دیا۔ لیکن سلطان کے بھائی غیاث الدین نے جو فوج کی بائیں بازو کی قیادت پر فائز تھا۔ بدترین غداری کا ثبوت دیا اور اپنی فوج کے ساتھ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تاتاریوں نے سلطان کی فوج کا ایک بازو خالی دیکھ کر قلب پر حملہ کر دیا اور اس کی فوج کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ سلطان نے پیچھے ہٹ کر دوبارہ لشکر کو منظم کرنے کے بعد حملے کیے لیکن تاتاریوں کے لشکر کی تعداد اور غیاث الدین کی غداری نے اس کے سپاہیوں کو بد دل کر دیا تھا۔ وہ فتح سے مايوں ہو کر فقط سلطان کے حکم کی تعییں میں اثر رہے تھے، تاتاریوں کی ایک فوج عقب میں پہنچ کر گھیراڑا لئے کی کوشش کر رہی تھی۔

سلطان نے چاروں طرف سے مايوں ہو کر فوج کو پسپانی کا حکم اور مار دھاڑ کرتا ہوا میدان سے نکل گیا۔

تاتاریوں نے اصفہان تک سلطان کا تعاقب کیا لیکن محراۓ گوبی میں چنگیز خان کی وفات نے تمام شہزادوں اور سرداروں کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ واپس تبریز پہنچ کر سلطان نے عبدالمالک کی وساطت سے خلیفہ مستنصر کو خط لکھا کہاب فیصلہ گن جنگ کا وقت آگیا ہے۔ آپ تیار ہیں۔ تاتاریوں کے واپس آنے تک کوہ البرز سے لے کر آرمینیا تک انکے عیسائی حیلیفوں کی گوشائی کے لیے میرے مٹھی بھرپا ہی کافی ہیں۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اگر مجھے بغداد آنے کی اجازت دی جائے تو میں تاتاریں کی دوبارہ دریائے چیحون عبور کرنے تک ایک ناقابلٰ تغیر فوج منظم کر سکوں گا اور ہم تاتاریوں کے ساتھ ایک فیصلہ گن جنگ اڑ سکیں گے اور خلیفۃ المسلمين کو کسی مصلحت کے تحت میرا بغداد آنا منظور نہ ہو تو میں بغداد کی حدود سے باہر کسی شہر کو اپنا مستقر بنانا کر بغداد کی افواج کا انتظام کروں گا۔

طاہر بن یوسف کی طرف سے سلطان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ مصر اور مرکش کے سلاطین سے امداد کا وعدہ لے کر واپس حلب پہنچ چکا ہے اور شام کے عوام اور امراء سے اسے امداد کی توقع ہے۔

سلطان نے اسے یہ پیغام بھیجا کہ تم شام میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد فوراً ہندوستان روانہ ہو جاؤ اور سلطان اتمش کو اس کے وعدے یادداو!

جس وقت ہم منظم ہونے کے بعد ایران یا خراسان میں تاتاریوں کے ساتھ ایک فیصلہ گن جنگ کرنے کا فیصلہ کریں گے، سلطان کو اطلاع بھیج دی جائے گی۔ اس صورت میں اگر سلطان اتمش افغانستان کی طرف سے تاتاریوں پر حملہ کر دے تو ان کی توجہ بٹ جائے گی اور یہ ہمارے لیے بہت بڑی مدد ہوگی۔ بہتر ہو گا کہ جب تک یہ وقت نہ آئے تم ہندوستان میں رہو۔

کئی جنگیں اڑنے کے بعد سلطان جلال الدین آذر بائیجان کے شمال اور مغرب میں وسیع علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس کے سپاہی ان لامتناہی جنگلوں سے دل برداشتہ ہو چکے تھے لیکن سلطان ان کے سامنے بار بار بغداد، مصر، مرکش، شام، عرب اور ہندوستان کی مدد سے تاتاریوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ اڑنے کا وعدہ دھرا کر ان کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔ اس کے علاوہ بعض مقامات سے رضا کاریوں کے جتنے بھی پہنچ رہے تھے۔

بغداد کے متعلق عبد الملک کی اطاعت بہت حوصلہ افزائیں لیکن تشویش کے بغیر نہ تھیں۔ خلینہ مُستنصر فوج کی تنظیم کے لیے طاہر کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ ترک رضا کاروں کی علاوہ اس نے بغداد میں آنے والے رضا کاروں کے لیے بھی اپنی فوج کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس نے دریائے وجلہ کے کنارے ایک بہت بڑی فوجی درسگاہ بھی قائم کر دی تھی اور عبد الملک کو اس درسگاہ کا ناظمِ اعلیٰ بنادیا تھا۔ یہ سب باتیں بہت حوصلہ افزائیں۔ لیکن عبد الملک نے سلطان کے نام اپنے چند مکتوبات میں بعض خدشات کا اظہار بھی کیا تھا۔ اسے سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ خلینہ در پرده سب کو تسلی دیتا ہے لیکن بغداد کے عوام کے سامنے سلطان کی حمایت کرنے سے گھبرا تا ہے۔ تاتاریوں کا سنیر جو اس کے باپ کے عہد میں بغداد سے نکالا جا چکا تھا۔ اب پھر واپس آگیا ہے اور خلینہ کے ساتھ اس کی لمبی چوڑی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ تاہم جب خلینہ سے اس کی شکایت کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں تیاری کے لیے وقت چاہیے اور اس مقصد کے لیے تاتاریں کو غلط نہیں میں بتا ارکھنا ضروری ہے۔

عبد الملک نے سلطان جلال الدین کو یہ بھی لکھا کہ تاتاری سنیر کوٹ مار کی

بے پناہ دولت کا ایک حصہ بغداد لے آیا ہے اور اس سے سلطنت کے عمال، علماء اور اہل الرائے طبقے کو خریدنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بعض لوگ اعلانیہ طور پر تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کی مخالفت کر رہے ہیں۔

لیکن جلال الدین ما یوس ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ شمال مغرب کی مہم سے فارغ ہوتے ہی تبریز پہنچا۔ تبریز میں چند دن قیام کے بعد اسے اطلاع ملی کہ تاتاریوں نے چنگیز خان کے بیٹے تو لائی خان کی قیادت میں دریائے سیجوان عبور کر لیا ہے اور ملتِ اسلامیہ کے چیدہ چیدہ غداروں کا وفد خلینہ بغداد کے پاس بھیج دیا ہے۔

سلطان نے عبد الملک کے نام ایک طویل مراسلہ بھیج کر ہمدان کا رُخ کیا۔

آخری شکست

ملاقات کی درخواست کا جواب آنے پر عبدالمالک خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے عبدالمالک کی خواہش کے مطابق اس کے ساتھ تخلیہ میں ملاقات کی۔ خلیفہ مستنصر نے جلال الدین کا مکتوب پڑھ کر تجویزی دیرسوچنے کے بعد کہا۔ تو ولائی خان نے پانچ لاکھ سپاہیوں کے ساتھ دریائے سیجوان عبور کر لیا ہے۔ اور ضرورت کے وقت شاید وہ پانچ لاکھ اور کمک منگوا سکیں۔ تمہارے خیال میں اس وقت سلطان جلال الدین کے پاس کتنی فوج ہو گی؟

عبدالمالک نے جواب دیا۔ یہ درست ہے کہ سلطان جلال الدین کے پاس اس وقت بہت تجویزی فوج ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس نے سانحہ ستر ہزار سپاہیوں کے ساتھ افغانستان میں شیگی تو تو کی دولاکھ فوج کو عبرناک شکست دی تھی اور اب مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ کرمان، آذربائیجان، قفقاق، تفلیس اور آرمینیا کے سیع علاقوں پر قبضہ کر چکا ہے۔

خلیفہ نے کہا۔ اس وقت ہماری ساری فوج تین لاکھ ہے۔ فرض کرو اگر بغداد سے باہر کسی میدان میں شکست ہو جائے تو تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کا کیا حشر ہو گا؟

عبدالمالک نے کہا۔ اگر خلیفۃ المسلمين آج ہی اعلان جہاد کر دیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ میں ایک ہفتے کے اندر اندر صرف اس شہر سے تین لاکھ رضا کار بھرتی کر دوں گا اور پھر آپ دیکھیں گے کہ مرکش سے لے کر عراق تک ان گنت سپاہی آپ کے جھنڈے تلنے جمع ہو رہے ہوں گے۔ وہ صرف آپ کے اعلان کے منتظر ہیں۔ تاتاریوں نے آج تم ہم پر فتح حاصل نہیں کی، ہمارے انتشار سے فائدہ اٹھایا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جس دن بغداد کی افواج ہمدان پہنچیں گی۔ اسی دن ہندوستان سے سلطان اتمش بخ تک پہنچ چکا ہو گا اور ترکستان، خراسان اور ایران کی بحی ہوتی را کھ میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھیں گے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ حالت میں تاتاری دریائے نیحون سے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کریں گے۔

خلینہ نے کہا۔ عبد الملک ہمیں ڈر ہے کہ اگر شکست ہو گئی تو بغداد کا انجام کیا ہو گا؟

فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ڈر سے آج تک کسی وک فائدہ نہیں پہنچ سکا۔ آپ سوچیے کہ جلال الدین اس وقت تاہم اسلام کا آخری مورچہ سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر یہ مورچہ پٹوٹ گیا تو ہم تاتاریوں کے سیااب کو بغداد کی طرف بڑھنے سے نہیں روک سکیں گے۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ بغداد سے ہماری افواج کب روائے ہوں گی۔ وقت بہت کم ہے اور یہ ضروری ہے کہ لڑائی سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے افواج سلطان کے پاس پہنچ جائیں تاکہ وہ انہیں تربیت دے سکیں۔

لیکن ہمیں یہ بھی ڈر ہے کہ باہر کے ممالک نے ہماری مدد نہ کی تو تاتاری موقع پا تے ہی ہم پٹوٹ پڑیں گے۔

آپ اپنا فرض پورا کبھی اور یقین رکھیے کہ دوسروں کو پچھے رہنے کا موقع نہیں ملتے گا۔

تمہیں معلوم ہے کہ بغداد کے اکثر علماء تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کے مخالف ہیں؟

اکثر نہیں صرف چند اور انہیں علماء کہنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ ملت کے غدار

ہیں۔ جو اپنے ضمیر کی قیمت تاتاریوں کے سفارتخانے سے وصول کر چکے ہیں لیکن عوام کی ایک بہت بڑی جماعت پر ان کا اثر ہے۔

آپ کے اعلانِ جہاد کے بعد ان کا اثر زائل ہو جائے گا۔

تمہیں معلوم ہے کہ ترکستان سے بھی چند علماء اور سرداروں کا وفد میرے پاس آیا ہے۔

مجھے معلوم ہے لیکن یہ صرف وہ لوگ ہیں جو قوم کے نوجوانوں کے خون اور قوم کی بہوبیثیوں کی عصمت کی قیمت وصول کر چکے ہیں۔ جو قوم کسی کی تلوار سے مغلوب ہونے والی نہ تھی۔ اسے ان کی غداری نے مغلوب کیا ہے۔ لیکن امیر المؤمنین یہ بحث کا وقت نہیں۔ کیا ہم صرف اس لیے داکی ذلت بول کر لیں گے کہ ہم میں چند غدار پیدا ہو چکے ہیں؟ اور آپ کا کیا خیال ہے کہ ہن لوگوں نے سلطان جلال الدین کے ساتھ غداری کی ہے وہ وقت آنے پر آپ کے ساتھ غداری نہیں کریں گے؟ وہ لوگ آپ کے پاس تاتاریوں کی دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ تاتاری مسلمانوں کے دوست ہیں تو انہیں بھی اپنا خیر خواہ کجھیے اور اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ تاتاریوں سے بڑھ کر اس وقت ہمارا کوئی دشمن نہیں تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ ہمارے بدترین غدار ہیں۔

عبدالملک تمہیشہ ہمیں اپنی بار میں باں ملانے پر مجبور کر دیا کرتے ہو لیکن یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ تاتاریوں کے ساتھ جنگ کی ذمہ داری اپنے سر لینے سے پہلے ہمیں بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔

عبدالملک نے بد حواس ہو کر خلیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا آپ کا ارادہ بدل چکا ہے؟ ہماری یہ تمام تیاریاں محض دکھاو اتھیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ

سلطان نے بغداد کی امید پر ہندوستان چھوڑا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار کی حوصلہ افزائی سے اس نے مایوسی کی تاریکیوں میں امید کے چراغ روشن کیے اور اس کے بعد اس نے صرف اس امید پر آج تک ہمت نہ ہاری کہ تاتاریوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے آپ اسے اپنا ایک وفادار سپاہی سمجھتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ اب وہ ہمارا نکے قریب پڑا وڈاں کر بغداد کی فوج کا انتظار کر رہا ہے اور اب تک ایک مٹھی بھر جماعت صرف اس لیے اس کا ساتھ دے رہی ہے کہ آپ کی مدد سے وہ تاتاریوں سے انتقام لے سکیں گے۔ یاد رکھیے کہ بغداد سے مدد نہ پہنچنے پر وہ اپنا فرض پورا کرے گا اور آپ سے مایوس ہونے کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بعض ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ جائیں لیکن تاتاریوں کی فتح کے بعد کوئی بھی دیانت دار سورخ یہ کہنے کی جرأت نہیں کرے گا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو تاتاریوں نے شکست دی، بلکہ وہ یہی کہیں گے کہ جب وہ آخری بار تاتاریوں کے نبرد آزما ہوا تھا تو اس کے بھائی اس کی تلوار چھین چکے تھے۔ اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ دنیا کی آپ کے متعلق کیا رائے ہوگی؟

خلینہ نے کہا۔ تمہارا مطلب ہے کہ دنیا ہمیں اسلام کا شمن تجویز گی؟ نہیں۔ نہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ خدا لے لیے یہ کہیے کہ میں آپ کی ذات سے سوء ظن کا مجرم ہوں۔ مجھے سزا دیجیے!

خلینہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چلو۔

کہاں؟ فوج کے مستقر ہیں؟

نہیں دوسرے کمرے میں۔ وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ شاید ہو تمہیں ہماری مجبوریوں کی وجہ سمجھا سکیں۔ خلینہ نے یہ کہتے ہوئے تالی بجائی ایک غلام

کمرے میں داخل ہوا۔ خلینہ نے یہ کہتے ہوئے تالی بجائی ایک گام کمرے داخل ہوا۔
خلینہ نے کہا۔ عبد الملک کو ہمارے دربار میں پہنچا دو۔

(۲)

عبد الملک دربار میں داخل ہوا۔ وہاں سلطنت کے چیدہ چیدہ عہدیداروں کے علاوہ شہر کے وہ علماء بھی تھے جو تاتاریوں کی حمایت اور خوارزم شاہ کی مخالفت میں فتوے شائع کر کے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ خلینہ کے مند سے نیچے دائیں طرف شہزادہ مستعصم رونق افروز تھا اور اس کیسا تھوڑا علماء اور سرداروں کا وہ گروہ کرسیوں پر بیٹھا ہوا تھا جو ترکستان سے بغداد کے خلینہ اور عوام کے نام تاتاریوں کی دوستی کا پیغام لے کر آیا تھا اور ان کے درمیان ایک جانی پہچانی صورت دیکھ کر عبد الملک کا خون کھولنے لگا۔ یہ مہلب بن داؤ د تھا۔ عبد الملک کو اس سے قبل بغداد میں اس کی آمد کی خبر نہ تھی۔ وہ ایک خالی گرسی پر بیٹھ گیا۔

نقیب نے مند کے عقب میں دروازے سے سر زکال کر خلینہ کی آمد کا اعلان کیا اور حاضرین اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

خلینہ نے مند پر رونق افروز ہونے کے بعد عبد الملک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عبد الملک ہم تمہاری باتیں سن چکے ہیں۔ تم یہ کہتے ہو کہ تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد ہمارا فرض ہے لیکن یہ معزز زین ہن میں ترکستان کے قابلِ عزت علماء کا وفد بھی شامل ہے۔ تمہاری اس تجویز کے مخالف ہیں۔ ہم تمہیں ان سب کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کا موقع دیتے ہیں۔ اگر تم انہیں قائل کر سکتے تو ہم کل ہی انفوج کو یہاں سے رو انگی کا حکم دے دیں گے۔ ورنہ ہمیں امید ہے کہ تم ان کے دائل پر توجہ دو گے۔

عبدالملک کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ یہ سب کچھ اس کامنہ بند کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے تاہم اس نے کھڑے ہو کر ایک پُر جوش طویل اور مدلل تقریر کی اور بیٹھ گیا۔ بغداد کے علماء کو معلوم تھا کہ عبدالملک اور اس کے ساتھی عوام کو مشتعل کرنا جانتے ہیں، اس لیے ان میں سے کسی نے فوراً اٹھ کر جواب دینے کی جرأت نہ کی۔ خلیفہ نے ارکانِ وفد کی طرف دیکھا لیکن وہ بھی عبدالملک کی تقریر کے بعد پریشان نظر آتے تھے۔ مہلب خلیفہ سے بولنے کی اجازت لے کر اٹھا۔

وہ راتی کا پیارہ بنانا جانتا تھا۔ شکست خورده ذہنیت کے لوگوں کو ماہیوی کی آخری حد تک پہنچا دینا اس کے لیے مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ وہ تاتاریوں کو سینکڑوں کوس دور دیکھنے کی بجائے بغداد کی گلیوں اور بازاروں میں دیکھ رہے تھے۔ مہلب کی تقریر کے بعد ترکستان اور پھر بغداد کے چند علماء نے ان کی تائید میں تقریریں کیں اور آخر میں سپہ سالار اور مرائے سلطنت نے اپنے خیالات پیش کیے۔ کم و بیش سب کی رائے تھی کہ تاتاریوں کے خلاف جنگ کرنا خود کشی ہے۔

تقریروں کا دوسرا دور جلال الدین کی شخصیت اور اس کے مذہبی عقاید پر اعتراضات سے شروع ہوا۔ اختتام پر خلیفہ نے عبدالملک سے سوال کیا۔ کیوں عبد الملک! تمہاری تسلی ہوتی یا نہیں جب قوم کے رہنماؤں کی بھی رائے ہے تو ہم ان کے خلاف کیسے جاسکتے ہیں؟

عبدالملک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کی تقریر کا ہر لفظ سامعین کے لیے ایک چھبتا ہوا نشر تھا۔ اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ خلیفہ حیران تھا کہ میں نے اُسے بولنے کا موقع کیوں دیا۔ عبدالملک کہہ رہا تھا۔ میری تسلی ہو چکی ہے۔ مجھے وہ چنان نظر آرہی ہے جس کے ساتھ قوم کی کشتی مکرا کر

پاش ہونے والی ہے لیکن آپ یا تو غلط فہمی میں بتتا ہیں یا اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دے رہے ہیں۔ یہ لوگ قوم کے رہنمائی میں اور تاتاریوں کی حمایت میں جو آواز انہوں نے یہاں باند کی ہے وہ انکے دل سے نہیں پہنچ سے نکلی ہے۔ ترکستان کے ان آٹھ دس غداروں کو قوم کے علماء اور سردار کہنا ان ہزاروں علماء اور امراء کی تو ہیں ہے جنہوں نے تاتاریوں کی غالامی پر موت کو ترجیح دی اور ہمارے شہر کے یہ بزرگ جو آج بڑے بڑے قیمت جبے پہن کر آپ کے دربار میں آئے ہیں۔ وہ ہیں، جو عوام کو اپنی صورت دکھانے سے شرما تھے ہیں۔ ان سے پوچھیے۔ کیا ان میں سے کسی کی یہ جرأت ہے کہ بغداد کی کسی مسجد کے منبر پر کھڑا ہو سکے؟ مجھے اجازت دیجیے تو میں ایک دن میں بغداد کے ہزاروں علماء اس محل کے سامنے کھڑے کر دوں اور ان میں سے ہر ایک تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کی تائید کرے گا۔ قوم کے رہنمایوں میں جو قوم کو فروخت کر چکے ہیں۔ قوم کے رہنماؤں ہیں جو قوم کے لیے مرنا اور جیننا جانتے ہیں۔ خلیفۃ المسلمین! میں جانتا ہوں کہ میری تقریر میں بے سود ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ تا جر مسلمانوں کو تاتاریوں کے ہاتھ پنج چکے ہیں۔ یہ لوگ جو آپ کو یقین دلا رہے ہیں کہ تاتاری اہل بغداد کے ساتھ کیے ہوئے معاملے نہیں تو ڈیں گے۔ میں انہیں یقین دلایا ہوں کہ جب تاتاریوں کی تلوار بے نیام ہو گی تو وہ سرخ اور سفید خون میں تمیز نہیں کرے گی۔ یہ مدانعانہ جنگ میں ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں لیکن تباہی میں انہیں ہمارا حصے دار ضرور بننا پڑے گا۔ مجھے شاید بغداد چھوڑنا پڑے لیکن جب تک میں یہاں ہوں۔ میں ان نام نہیں علماء کو متنبہ کرتا ہوں کہ میرے خلاف فتوے شائع نہ کریں اور سلطنت کے ان عہدیداروں سے بھی یہی کہوں گا کہ وہ میرے راستے میں کائنے نہ پھنسیں، میں انہیں کچلانا جانتا ہوں۔ بغداد میں ان

بزرگوں کی کوششوں کے باوجود ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں لاٹھی سے ہاںکنا آسان نہ ہوگا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ بغداد کے اندر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تاتاری، سلطان جلال الدین کا خیال چھوڑ کر یہاں آتا زیادہ مناسب خیال کریں۔ میں ہر کاری افواج کو ورغا نے کی کوشش بھی نہیں کروں گا لیکن وہ رضا کار جو باہر سے صرف جلال الدین کی مدد کے ارادے سے آئے ہیں۔ میں انہیں وہاں سمجھنے میں حق بجانب ہوں۔ ممکن ہے کہ حکومت بغداد اور تاتاریوں کی مصالحت کے متعلق سنتے ہی وہ مايوں ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ وہ جس مقصد کے لیے آئیں ہیں۔ اُسے پورا کریں۔

میں اب جاتا ہوں لیکن جانے سے پہلے ایک بات پر خلیفۃ المسلمين کی توجہ خاص طور پر مبذول کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ مہلب بن داؤد و حید الدین اور سابق وزیر اعظم کا قاتل ہے۔ میرا یہ کہنا بے سود ہے کہ اسے گرفتار کیا جائے لیکن خلیفہ کے محل سے نکلتے ہوئے کسی پر عقب سے حملہ کرنا، خواہ وہ خلیفہ کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے، ایک غیر شریفانہ فعل ہے اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کچھ اختیاط کا بھی نادی ہوں۔ محل سے باہر اس وقت کم سے کم دس ہزار آدمی ہیں جو شام تک میرے واپس نہ جانے کی صورت میں محل کی تلاشی لینے کی کوشش کریں گے۔۔۔ اب میں جاتا ہوں۔

محل سے باہر نکلتے ہوئے عبدالملک کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، وہ کہہ رہا تھا۔ ان پتھروں میں زندگی پیدا کرنا میرے بس میں نہیں۔ بغداد کی تباہی مقدر ہو چکی ہے۔

دروازے سے باہر آدمیوں کو ہجوم تھا۔ وہ اس کی زبان سے ایک اہم اعلان

سننے کے لیے بے قرار تھے لیکن وہ انہیں دیکھ کر چلنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کسی نے راستہ روکنے کی جگہ اتنے کی۔ شام تک یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو چکی تھی کہ خلینہ تاتاریوں میں دوستانہ معاهدہ ہو چکا ہے۔ رضا کاروں کے دستے اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے کی فکر کر رہے تھے۔

رات کے وقت، عبد الملک، سلطان جلال الدین اور طاہر بن یوسف کے نام طویل مراسلہ لکھ رہا تھا اور اس کے مکان سے باہر بغداد کے کئی نوجوان اور فوجی درس گاہ کے طلباء پہر ادے رہے تھے۔

(۳)

سلطان جلال الدین ایک وادی میں پڑا اوڑا لے بغداد کی افواج کا انتظار کر رہا تھا۔ جوں جوں تاتاریوں کی افواج قریب آ رہی تھیں۔ سلطان کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ ایک دن سلطان طلوع آفتاب سے کچھ دیر بعد جب معمول ایک پیاری پر چڑھ کر بغداد سے آنے والی گپ ڈنڈی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ چند افسر بھی کھڑے تھے۔ اُسے دور ایک بلند پیاری کے دامن میں پندرہ بیس سوار دکھائی دیے۔ تھوڑی دیر غور سے دیکھنے کے بعد سلطان خوشی سے چلا اٹھا۔ وہ آگئے! وہ آگئے!! وہ بغداد سے تین لاکھ فونج کی آمد کی خبر لارہے ہیں۔ دیکھا، تم کہتے تھے کہ عبد الملک کا جواب آنے میں چند دن اور لگیں گے لیکن میں کہتا تھا کہ اگر آدمی رات کے وقت بھی میرا اپنی بغداد پہنچا تو عبد الملک اسی وقت خلینہ کو جگا کر میرے مکتب کو جواب حاصل کرے گا۔ تم خلینہ کے متعلق شکوک ظاہر کیا کرتے تھے لیکن میں یہ کہتا تھا کہ ابھی خلینہ کے خاموش رہنے میں بہت سے مصالحتیں ہیں۔ ہم اب تو لائی خان کو وہی سبق دیں گے جو ہم نے افغانستان میں شیگی تو تو کو دیا تھا۔ خلینہ

کے اپنی آرہے ہیں۔ فوج کے تمام سپاہیوں کو حکم دو کی خیموں سے باہر نکل کر ان کا خیر مقدم کریں!

خیروڑی دیر بعد سلطان کے سپاہیوں کی مختصر سی جماعت قطاریں باندھے کھڑی تھیں۔ سوار قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اُترے۔ سلطان نے اپنے چند سالاروں کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور کہا۔ تم بہت جلد پہنچے۔ تم سب میری طرف سے خلعت کے حق دار ہو۔

ایک شخص نے آگے بڑھ کر عبد الملک کا مراسلہ پیش کیا۔ سلطان نے کہا۔ یہ مراسلہ پڑھنے سے پہلے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بغداد کی افواج کب وہاں سے روانہ ہوں گی؟

وہ ایک دوسرے کی طرف پریشان ہو کر دیکھنے لگے۔ سلطان نے مراسلہ کھولتے ہوئے کہا۔ تمہیں یقیناً ان باتوں کا علم نہیں ہوگا۔ عبد الملک بہت محظا ط آدمی ہے۔

مراسلہ پڑھتے وقت سلطان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی حالت اس شخص کی سی تھی جس پر اچانک بجلی گرفتار ہو۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مراسلہ اس کے کاپنے ہوئے ہاتھوں سے گرفٹا۔ وہ مسکرا یا لیکن اس کی مسکراہٹ آنسوؤں سے کہیں زیادہ دردناک تھی۔

اس نے بھر آئی ہوتی آواز میں کہا۔ مجھے معلوم تھا لیکن ما یوسی کی انتہا انسان کو خود فربی کا نادی ہے۔ میں ریت پر محل تعمیر کر رہا تھا۔ مبارک! عبد الملک کا خط پڑھ کر ان سب کو سنا و اور اس کے بعد جو جانا چاہیں، انہیں میری طرف سے اجازت ہے۔ میں طاقت کے خلاف اڑستا ہوں۔ ما یوسی کے خلاف اڑستا ہوں لیکن

قدرت کے خلاف نہیں اڑ سکتا۔ مجھے قدرت سے شکایت نہیں۔ ہم پر قدرت کا یہ احسان معمولی نہ تھا کہ اُس نے مٹھی بھر انسانوں کوئی برس تک تاتاریوں کا سیاہ روکنے کی ہمت دی لیکن جب مسلمان ہی بیدار نہیں ہوتے۔ جب وہ اجتماعی زندگی پر انفرادی موت کو ترجیح دینا چاہتے ہیں تو قدرت سے کیا شکایت؟ قدرت کسی کے لیے اپنا قانون نہیں بدلتی۔

سلطان نے ایلپھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم جاؤ! عبدالملک نے مجھے لکھا ہے کہ وہ چند دن تھوڑے بہت سا ہی لے کر میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اُسے کہہ کہ اب اس کا آنا بے سود ہو گا۔

سلطان اپنے خیے میں چلا گیا۔ شام تک چند جاں شاروں نے کئی بار اس سے ملنے کی کوششیں کی لیکن خیے کے دروازے پر پھرے دار ہر بار انہیں یہ کہہ کر روک دیتا کہ سلطان سور ہا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ جب تم میں نہ بلوں، میرے پاس کوئی نہ آئے۔

چند دن کے بعد سلطان نے آذربائیجان کا رُخ کیا۔

(۳)

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تبریز کے شمال مغرب میں ایک پہاڑی قلعے میں مقیم تھا۔ تاتاریوں کا لشکر اس کے تعاقب میں طہران تک پہنچ چکا تھا لیکن پہاڑوں پر شدید برف باری کے باعث مشرق اور جنوب سے تاتاریوں کی فوری پیش قدمی کا خطرہ نہ تھا۔ سلطان کے ساتھی ایک ایک کر کے ز خست ہو چکے تھے اور اب اس کے ساتھ ڈریڈھ سو کے قریب صرف وہ لوگ تھے جن کا دُنیا میں کوئی ٹھکانا نہ تھا اور جوز ندگی اور موت میں اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

سلطان زیادہ وقت تھا میں گزارتا۔ دنیا میں اس کی تمام دلچسپیاں ختم ہو چکی تھیں۔ تیمور ملک اور دوسرے جانشیروں کی شہادت کے بعد اسے حوصلہ اور تسلی دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ وہ صرف جینے کے لیے جی رہا تھا۔

بغداد سے حوصلہ لشکن پیغام کے بعد اس نے زندگی کی حقیقوں سے کنارہ کش ہونے کے لیے شراب نوشی شروع کر دی۔ ہوش کا ہر لمحہ اپنے لیے ناقابل برداشت بحثتے ہوئے وہ مد ہوش رہنے لگا اور جب مد ہوش کی حالت میں بھی تلواروں کی جھنکار کا تصور اسے پریشان کرتا تو وہ رقص و سرور کی محفل آرائیہ کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن اسے سکون نصیب نہ ہوتا اور ہوا پنے ساتھیوں سے کہتا۔ شراب اور راگ بغداد کے امراء کو زندگی کی تلخ حقیقوں سے بیگناہ کر دیتے ہیں۔ لیکن مجھے ان سے بھی سکون حاصل نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا۔ میں ایک بہت بڑا مینار ہوں جس کی بنیادیں بیل چکی ہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ! مجھے ڈر ہے کہ جب میں گروں گاتم نیچے رب جاؤ گے۔ کبھی وہ قلعے کا دروازہ کھلوا کر باہر نکل جاتا اور پھر وہ برف باری کے طوفان میں پیاریوں پر گھومتا رہتا۔ کبھی وہ شراب کا جام ہونتوں تک لے جا کر پھینک دیتا اور صراحیاں توڑ دالتا۔ کبھی ہو کونے میں پڑی ہوئی تلوار اٹھاتا۔ اسے نیام سے نکال کر دیتا اور اپنے کسی ساتھی کو بلا کر کہتا۔ دیکھو، یہ میرا منہ چڑھا رہی ہے۔ نہیں شاید میری طرح یہ بے جان لوہا بھی مضطرب ہے۔ شاید اسے بھی خود فراموشی کی ضرورت ہے۔ جاؤ! اسے شراب کے مشکلے میں ڈبو دو!

ایک دن برف پڑ رہی تھی۔ قلعے کے اندر سلطان کے سامنے رقص و سرور کی محفل گرم تھی۔ شراب کے دور چل رہتے تھے۔ دروازے کے پہرے دار نے آکر

اطارع دی کہ بغداد سے عبدالمالک آپ کو تلاش کرتا ہوا یہاں آپنچا ہے۔ اور وہ حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔

سلطان نے تلخ لبجے میں کہا۔ عبدالمالک! وہ یہاں کیسے پہنچا؟ اسے اب مجھ سے کیا کام ہے؟ اور کون ہے اُس کے ساتھ؟
پانچ ساہی اور ہیں!

تم نے اسے یہ کیوں بتایا کہ ہم یہاں ہیں؟
میں نے کہا تھا کہ آپ یہاں نہیں لیکن وہ پاس کی بستی سے ایک رہنماء پن ساتھ لایا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آذربائیجان میں کئی ہفتے بھٹکنے کے بعد اُس نے بڑی مشکل سے آپ کا سراغ لگایا ہے۔

ایک شخص نے کہا۔ سلطانِ معظلم! ممکن ہے کہ وہ بغداد سے کوئی اچھی خبرا لایا ہو

سلطان نے چلا کر کہا۔ میرے سامنے بغداد کا ذکر نہ کرو۔ بلا واؤ سے!
عبدالمالک نے کمرے میں داخل ہو کر محفل کارنگ دیکھا تو ٹھہر کر رہ گیا۔
اوے عبدالمالک! آگے آ جاؤ۔ زک کیوں گئے؟ میرے قریب ٹیکھو۔ سلطان نے یہ کہتے ہوئے شراب کا پیالہ اٹھا کر منہ سے لگالیا۔

خوارزم شاہ نے گانے والوں سے کہا۔ تم کیوں خاموش ہو گئے۔ گاؤ!
راگ پھر شروع ہوا۔ سلطان نے شراب کی صراحی سے پھر پیالہ بھرا اور چند گھونٹ پینے کے بعد اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ عبدالمالک! میں سمجھتا تھا کہ یہ مقام زندگی کی نگاہوں سے بہت دور ہے۔ مجھے امید تھی کہ یہاں تک میرا پیچھا کوئی نہیں کرے گا لیکن اب مجھے ٹھکانہ بھی بدلتا پڑے گا۔ تم بغداد کی افواج کہاں چھوڑ

آئے؟ تم نے یہاں آ کر ان باتوں کی یاد تازہ کر دی جنہیں میں بھول جانا چاہتا تھا۔

سلطان نے پھر شراب کا پیالہ اٹھالیا لیکن عبدالملک نے اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر دُور پھینک دیا اور خبرِ زوال کر سلطان جلال الدین کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ سلطانِ معظم! میں نے شاید گستاخی کی ہے۔ یہ یقین مجھے اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار دیجیے۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔ میری آنکھیں زوال دیجیے۔

راغ بند ہو چکا تھا اور مغلل میں سناؤ چھا رہا تھا۔ سلطان نے غیر متوقع اطمینان کے ساتھ عبدالملک کی طرف دیکھا اور صراحی ٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ لواسے بھی توڑا لو۔ میں خود کی مرتبہ نہیں توڑ چکا ہوں۔ ایسی چیزیں ٹوٹنے سے ختم نہیں ہوتیں۔ یہ مٹی کے ٹھیکرے ہیں جو ایک بار ٹوٹنے سے ختم نہیں ہوتیں۔ یہ مٹی کے ٹھیکرے ہیں جو ایک بار ٹوٹنے کے بعد دوبارہ جو سکتے ہیں اور اگر نہ جو سکیں تو نئے بنائے جاسکتیں۔ یہ انسان کا دل نہیں جو ایک بار ٹوٹنے کے بعد نہیں کے لیے ناکارہ ہو جاتا ہے۔

عبدالملک کی پریشانی اور تذبذب پر سلطان جلال الدین نے صراحی دیوار کے ساتھ دے ماری۔

عبدالملک نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ سلطانِ معظم! میں اپنی زندگی میں صرف ایک آدمی دیکھا تھا جو ماہیں ہونا نہیں جانتا تھا لیکن آج۔۔۔۔۔!

جلال الدین نے کہا وہ انسان جسے تم جلال الدین خوارزم شاہ کے نام سے جانتے تھے، میر چکا ہے، اس وقت تم اس کی لاش سے باتیں کر رہے ہو۔ ہاں یہ بتاؤ تم یہاں کس طرح پہنچے؟

میں بغداد سے رضا کاروں کی ایک جماعت لے کر آیا تھا اور۔۔۔۔۔!

سلطان نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کتنے رضا کاروں کی جماعت؟

میرے ساتھ پانچ ہزار آدمی روانہ ہوئے تھے۔

تم نے غلطی کی۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔

آپ کا پیغام مجھے اس وقت ملا جب میں بغداد سے ایک منزل آگئے آپ کا تھا
اور آپ کا حکم سن کرتین ہزار پاہی واپس چلے گئے اور ---

سلطان نے پھر بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اور باقی دو ہزار یقیناً کسی مقام پر
تاتاریوں کے زخم میں آگئے ہوں گے؟

عبدالملک نے مغموم لجھے میں جواب دیا۔ ہاں۔ تبریز اور ہمدان کے درمیان
ہمیں ان کے چند دستوں نے گھر لیا تھا۔

کتنے پاہی زندہ بچے؟

کوئی دوسو۔ کیونکہ تبریز پہنچ کر آپ کا پتہ نہ ملا۔ اس لیے پانچ کے سواباتی سب
مايوں ہر کر چلے گئے اور ان پانچ کے ساتھ قریباً دو ماہ آپ کو ان پیاروں میں تلاش
کرنے کے بعد میں یہاں پہنچا ہوں۔

جلال الدین نے کہا تم نے اتنی جانیں بے فائدہ ضائع کیں۔

میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ مجھے کردستان سے چکر کاٹ کر آنا چاہیے تھا
لیکن کیا آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ کے اعتراف شکست کے بعد ان لاکھوں
انسانوں کی قربانی رائیگاں جائے گی جو آخری فتح کی امید پر آپ کا ساتھ دیتے
رہے؟

سلطان نے جواب دیا۔ تو تم یہ چاہتے ہو کہ جب تک میں زندہ رہوں،
جموڑے جموڑے مسلمان جمع کر کے موت کے مُنہ میں دھکیلتا رہوں۔ میں آج تک

اس امید پر لڑتا رہا کہ کبھی تو عالمِ اسلام بیدار ہو گا۔ میں انہیں تیاری کے لیے وقت دینا چاہتا تھا اور میں نے اپنا فرض پوار کیا۔ انہوں نے مرکش سے لے کر ہندوستان تک میرے پاس تسلی کے پیغامات بھیجے۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ میں اب اُٹھوں تو کس سہارے پر؟ لڑوں تو کس امید پر؟ تم اس قوم سے کیا توقع رکھتے ہو جس کے امراء ملت فروش ہوں، جس کے علماء میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو چکی ہو جو برسر منبر تاتاریوں کی غلامی کا فتویٰ دیتی ہو۔ جس کے سپاہیوں کی توارکالوہادمن کی آنج سے پکھل چکا ہوا جس کا خلیفہ۔۔۔ میں اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔

یہ سب کچھ خلیفہ کی وجہ سے ہوا ہے لیکن خلیفہ کی بد عہدی کے بعد خدا کی رحمت کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ آپ پھر ہندوستان نہیں تو مصر اور مرکش کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہوں گے۔ ہم تاتاریوں سے شمال کے بر فانی علاقوں کی شکست کا بدلہ افریقہ کے پتے ہوئے محراوں میں لے سکیں گے۔ شاید ابھی تک خدا کی رحمت کے نزول کا وقت نہیں آیا لیکن ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک خدا کی رحمت جوش میں نہیں آتی۔ فرض کیجیے کہ تاتاریوں کو ترکستان سے نکالنا آپ کے مقدار میں نہیں لیکن یہ تو آپ کے بس میں ہے کہ سلطان اور سپہ سالار کی بجائے ایک سپاہی کی حیثیت میں اپنی خدمات کسی اور سلطنت کو سونپ دیں!

سلطان نے تنخ لجھے میں کہا۔ تم مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟ میں کئی سلطنتوں کو پیغام بھیج چکا ہوں اور ان کے جواب بھی آچکے ہیں۔ وہ حق بجانب ہیں۔ ایک ہارے ہوئے بادشاہ کو پناہ دینا آسان نہیں اور میری تلاش میں تو تاتاریوں کی پانچ لاکھ فوج دن رات ایک کرہی ہے۔ وہ اپنی فوج میں ایک شکست خورده سپاہی کا اضافہ کر کے پانچ لاکھ تاتاریوں کو حملے کی دعوت کیوں دیں۔ میں صرف ایک سپاہی

تھا اور اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ میرے پاس تلوار تھی اور جب تک اس کی دھار کند نہیں ہوتی۔ میں اڑتا رہا لیکن تم سپاہی کے علاوہ ایک عالم بھی ہوا اور تمہارا فرض بھی پورا نہیں ہوا۔ تم جاؤ۔ اب میرا اور تمہارا راستہ مختلف ہے۔

عبدالملک نے کہا۔ لیکن ایک راستہ ہے جو ہم دونوں کے لیے کھلا ہے۔ وہ کیا؟

عزت کی موت! ہمیں اس کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

جلال الدین اٹھ کھڑا ہو گیا اور کوئی بات کہے بغیر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو سواری کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے۔

سلطان نے کہا۔ عبد الملک! عزت کی موت کے لیے مجھے ساتھ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے دنیا کے تمام آلام کو شراب میں ڈبو نے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے چیز نصیب نہ ہو سکا۔ میں نے نغموں کی تانوں میں سونے کی کوشش کی لیکن تلواروں کی جھنگار میرے کانوں میں گنجتی رہی۔ میں جاتا ہوں اور تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ کوئی میرا پیچھا نہ کرے۔ میں مسلمانوں کی حفاظت کے لیے تمہاری تلواروں کا محتاج تھا لیکن اب اپنے لیے کسی کی جان خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کروں گا۔ عبد الملک! تمہیں میری شراب نوشی سے دُکھ ہوا ہو گا۔ میرے دل میں تیمور ملک کے خونکے بعد تمہارے آنسوؤں کی بڑی قدر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ تم واپس جا کر اپنا کام جاری رکھو۔ تمہارے لیے ہندوستان جانا بہتر ہو گا۔ طاہر شاید ابھی تک وہاں ہو۔ اگر وہ ملے تو میری طرف

سے کہو کہ سلطان انتش کی پاس رہے۔ اگر وہ نہ مانے تو اسے کہنا کہ یہ میرا حکم ہے۔
میرا آخری حکم!

سلطان نے ایک شخص کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔

ایک سردار نے سوال کیا۔ لیکن آپ اس برف باری میں کہاں جائیں گے؟
سلطان نے جواب دیا۔ میں تمہیں یہ سوال پوچھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر تم
میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو یہ دُعا کرو کہ خدا مجھے عزت کی موت سے محروم نہ
کرے اور تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری موجودگی کی وجہ سے
تاتاری اس علاقے کو بھی تباہ و بر باد کر دیں۔ عبد الملک! ان لوگوں میں سے اکثر
ایسے ہیں جن کے گھر بار نہیں۔ میں انہیں تمہارے سپرد کرتا ہوں تھم انہیں ہندوستان
لے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان انتش ان کی مدد کرے گا۔

تمہوڑی دری بعد یہ لوگ قلعے کے دروازے کے باہر کھڑے سلطان کو الودع
کہہ رہے تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھوں میں آنسونہ تھے۔ سلطان نے
گھوڑے کو ایڑ لگانی تو ایک شخص نے بھاگ کر اس کی رکاب پکڑ لی اور روکر کہا میں
بچپن سے آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے اپنے ساتھ جانے کی اجازت
دیجیے۔

بہت اچھا۔ تم میرے ساتھ آ سکتے ہو۔ لیکن کسی اور نے حکم عدالتی کی تو مجھے
بہت دُکھ ہوگا۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ برف باری کے طوفان میں روپوش ہو گیا اور
اس کے بعد کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں ہے اور کسی حال میں ہے؟ کئی برس تک
اس کے متعلق عجیب و غریب داستانیں مشہور ہوتی رہیں۔ کبھی یہ افواہ اڑتی کہ اسے

فلاں بستی میں ایک درویش کے لباس میں دیکھا گیا ہے۔ کبھی یہ قصہ مشہور ہوتا کہ وہ کسی جنگل میں گوشہ نشینی اختیار کر چکا ہے اور کبھی یہ خبر آتی کہ وہ دُنیا کی نگاہوں سے چھپ کرتا تاریوں سے آخری جنگ لڑنے کے لیے جانبازوں کی ایک زبردست فوج منظم کر رہا ہے اور اچانک کسی دن فلاں مقام سے ظاہر ہو گا۔

تا تاریوں نے اس کی تلاش میں ملک کا کونہ کونہ چھان مارا۔ سینکڑوں آدمیوں کو جلال الدین سمجھ کر موت کی گھاث اٹا رہ دیا اور اس کا سراغ لگانے والوں کے لیے بڑے بڑے انعامات مقرر کیے لیکن اس کا پتہ نہ لگا۔

بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ ایک نام سپاہی کے لباس میں تاریوں کی کسی چوکی پر حملہ کرنے کے بعد شہید ہو چکا ہے اور بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اسے قوم کے کسی غداریا تاریوں کے کسی جاسوس نے قتل کر دیا ہے۔

بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ آہستہ آہستہ اس بات پر یقین کرنے لگے کہ شیر خوارزم اس دنیا میں نہیں۔

(۵)

ایک شام بغداد سے چند منازل کے فاصلے پر عبد الملک اور اس کے ساتھی ایک بستی کی سرائے کے سامنے پہنچ کر گھوڑوں سے اترے۔ رات کے وقت جب سرائے کے تمام کمرے کھچا کچھ بھرے ہوئے تھے تو سرائے کے مالک نے عبد الملک کے کمرے میں آ کر کہا۔ ایک اور معزز آدمی آیا ہے۔ باقی کمروں میں تو تل دھرنے کے لیے جگہ نہیں۔ آپ کو اس کے لیے تکلیف اٹھانی پڑے گی۔

عبد الملک نے کہا۔ میں اسے دیکھے بغیر اپنے کمرے میں ڈھرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔

سرائے کے مالک نے کہا۔ وہ بہت تھکا ہوا ہے اور تاتاریوں کا جاسوس معلوم نہیں ہوتا۔

عبدالملک نے کہا۔ تاتاریوں کا نہیں تو خلینہ کا جاسوس ہوگا۔

مجھے یقین ہے کہ وہ جاسوس نہیں۔ سرائے والوں کے ساتھ جاسوس اس طرح تحکما نہ انداز سے پیش نہیں آتے۔ میرے انکار پر اس نے پیٹ پھاڑا لئے کی دھمکی دے دی ہے۔

ایک شخص نے اندر داخل ہو کر کہا۔ ان کے ساتھ میں فیصلہ کر لیتا ہوں تم فوراً کھانا لاو۔

طاہر! عبدالملک نے بھاگ کرنے والوں سے لپٹتے ہوئے کہا۔ تم یہاں کیسے پہنچ؟ میں بغداد سے آیا ہوں اور سلطان کی تلاش میں آذر بامیجان جا رہا ہوں۔

عبدالملک نے سوال کیا۔ تم بغداد کب پہنچے؟ چار دن ہوئے آدمی رات کے وقت بغداد پہنچا اور تمہارے گھر سے تمام حالات معلوم کر کے علی الصباح اس طرف لوٹ آیا۔

تو تمہیں تمام حالات معلوم ہو چکے ہیں

طاہر نے مایوسی کے لجے میں جواب دیا۔ ہاں!

عبدالملک نے کہا تم نے یہاں پہنچنے میں بہت دریگانی؟ طاہر نے جواب دیا۔ مجھے سلطان اُتمش نے بنگال کی ایک محہم پر بھیج دیا تھا۔ تمہارا قاصد مجھے دری سے ملا۔

تمہاری بیوی کہاں ہے؟

اسے دہی چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سفر بہت کھشن تھا۔ بغداد سے مجھے یہ بھی پتہ چلا

کہ تم پرتا تاریوں نے راستے میں حملہ کر دیا تھا۔ مجھے تمہارے متعلق بڑی تشویش تھی
۔ اب تم کیدھر جا رہے ہو؟
میں صرف بچوں کو لینے بغداد جا رہا ہوں۔
اور اس کے بعد؟

اس کے بعد ہندوستان جانے کا ارادہ ہے!
سلطان جلال الدین نے سلطان ائمہ کے نام کوئی پیغام دیا ہے۔
نہیں!

طاہر کے چند سوالات کے جواب میں عبد الملک نیا پی سرگزشت بیان کی۔
طاہر دیر تک پچاپ بیٹھا رہا۔ سرائے کے مالک نے کھانا لا کر اس کے سامنے رکھ
دیا مگر اس کی بھوک مرچکی تھی۔

عبد الملک نے کہا میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ بغداد لے جانا مناسب
نہیں سمجھتا۔ میرا ارادہ تھا کہ انہیں اس سرائے میں ڈھرا کر بغداد سے بچوں کو
یہاں لے آؤں اور پھر ہندوستان کا رُخ کیا۔ اب تم آگئے ہو اور مجھ سے بہتر سوچ
سکتے ہو۔

طاہر نے کہا۔ اگر ہم سلطان کو تلاش کر کے ہندوستان لے جانے پر آمادہ کر
سکیں تو مجھے یقین ہے کہ اب سلطان ائمہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جلال الدین کا
پیغام جانے پر وہ تا تاریوں کے خلاف اعلان جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

لیکن خوارزم شاہ کو اول تو ڈھونڈھنا آسان نہیں اور اگر ہم انہیں تلاش کرنے
میں کامیاب بھی ہو گئے تو ہو ہندوستان جانے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ ایک گری ہوئی
دیوار کو دوبارہ استوار کی جا سکتی ہے، اگرے ہوئے پہاڑ کو دوبارہ کھڑا نہیں کیا جا سکتا!

ظاہر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ بہت اچھا تم اپنے ساتھیوں کو یہاں جھوٹ دلیکن میں تمہارے ساتھ ضرور جاؤں گا۔

تمہاری مرضی لیکن وہاں بجھی ہوتی را کھی میں پھونکیں مارنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اب تو وہاں ایسے علماء بھی پیدا ہو چکے ہیں جو تاتاریوں کی ظل اللہ، اولی الامر کہتے ہیں۔

میں وہاں اپنا آخری فرض پورا کرنا چاہتا ہوں۔

وہ کیا؟

میں عوام کو بتانا چاہتا ہوں کہ بغداد کی تباہی آنے والی ہے، اگر وہ آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو میں انہیں کہوں گا کہ وہ اپنے لیے کوئی اور جائے پناہ تلاش کر لیں۔ خلیفہ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسے کم از کم اپنے گھر کی حفاظت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

دلیکن یہ سب بے سود ہے اور تمہیں شاید یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تاتاریوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہی خلیفہ نے مہلب کو وزیر اعظم بنادیا ہے۔

میں اس لیے بھی وہاں جانا چاہتا ہوں۔ ہاں! مبارک کہاں ہے؟

وہ بغداد میں ہے!

آخری پیغام

بغداد میں نہ ختم ہونے والے مناظروں کا نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ دریا کے کنارے ایک کھلے میدان میں شیعہ اور سُنی علماء کا ایک زبردست مناظرہ ہو رہا تھا۔ دونوں جماعتوں کے بڑے علماء اس مناظرے میں حصہ لے رہے تھے اور عوام یہ محسوس کرتے تھے کہ کھوئی ہوئی دلچسپیاں پھر لوٹ آئی ہیں۔

ہمدان میں تاتاریوں کی افواج کا اجتماع اہل بغداد کے لیے ایک تلخ حقیقت تھی۔ خلیفہ اور تولیٰ خان کے درمیان دوستانہ تعلقات کے باوجود کسی کو یہ غلطی نہیں نہ تھی کہ تاتاری موقع ملنے پر بغداد پر حملہ آور نہ ہوں گے۔ لیکن اہل بغداد کی مثال اس شتر مرغ سے کم نہ تھی جو افق پر آندھی کے آثار دیکھ کر ریت میں سر پھپالیتا ہے۔ مباہثہ اور مناظرے ان کے لیے خواب آور نشہ تھا۔ اسلام کے دشمن، ترکستان، خراسان اور ایران کے میدانوں میں پڑا اؤڈال کر عالم اسلام پر آخری ضرب لگانے کے لیے اپنی تواریں اور نیزے درست کر رہے تھے اور بغداد میں اسلام کے نام لیوا صرف یہ جانے کے لیے بیقرار تھے کہ کس فرقے کے علماء کی زبان کے نشتر دوسروں کی نسبت زیادہ تیز اور زیادہ زہرآلود ہیں۔

طاہر بن یوسف اور اس کے ساتھیوں نے ان میں ایک عارضی زندگی پیدا کی تھی اور ان کی سرگرمیوں سے ان علماء کا اکار و بار کچھ عرصے کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ جو گزشتہ چار صدیوں سے ایک دوسرے کو جھوٹا اور کافر ثابت کرنا اسلام کی بہت بڑی خدمت سمجھتے تھے اور ان کی جگہ ان حق پرست علماء نے چھین لی تھی جو خدا اور رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم کے ہر نام لیوا کوتبا ہی اور بر بادی سے بچنا اپناند ہبی فریضہ سمجھتے تھے لیکن حق پرستوں کی یہ جماعت بھی ان لوگوں کو تواریکی اہمیت سمجھانے

میں کامیاب نہ ہو سکی جو صدیوں سے اپنے ہر درد کا علاج کتابوں میں تلاش کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ طاہر کی دعوت پر میدان میں آئے اور ان کی کوششوں سے عوام کی ذہنیت میں اچانک ایک تبدیلی آگئی۔ وہ باتوں کی بجائے عمل میں اپنی نجات محسوس کرنے لگے، وہ خوارزم شاہ کو اپنا آخری دفاعی حصار سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بد لے ہوئے حالات کے ساتھ یہ جوش و خروش ٹھنڈ پڑ گیا۔ دُور دراز سے آئے ہوئے رضا کار مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ خلینہ ان کی حفاظت کا ضامن تھا اور خلینہ کے نئے وزیر نے انتہائی دوراندیشی اور تذہب سے کام لے کر تاتاریوں کو اہل بغداد کے محافظ اور دوست بنادیا تھا۔ ان کی نگاہوں میں اتحاد، تنظیم اور جہاد پر زور دینے والے علماء کی اہمیت کم ہونے لگی اور وہ پھر اپنے ان رہنماؤں کی طرف متوجہ ہو گئے جو ایک کامیاب مناظر بنائیں۔ آخرت کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ شیعوں اور سُنیوں کا یہ مناظرہ بغداد میں علم و عرفان کی بارش کے نزول کے دورِ ثانی کی ابتدائی تھی۔

(۲)

یہ مناظرے کی تیسری رات تھی۔ آمنے سامنے دو اسٹیجنوں پر شامیا نے نصب تھے اور مناظرے میں حصہ لینے والے علماء کرسیوں پر روشنی افروز تھے، ان کے سامنے بڑی بڑی میزوں پر کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ روشنی کے لیے دلوں جماعتوں کے رضا کار مشعلیں اٹھائے کھڑے تھے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ فانوس لٹک رہے تھے۔ درمیان میں ٹالرش کی اسٹیجن تھی اور چاروں اطراف لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔

گزشتہ دو دن مناظرے کے اصول اور قواعد طے کرنے میں صرف ہوئے

تھے، دونوں جماعتوں کے علماء نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ وہ اشتغال انگلیزی سے کام نہیں لیں گے۔ سامعین کا یہ خیال تھا کہ یہ دچپی کم از کم چھ ماہ تک ختم نہ ہو گی اور کسانوں کے سوا اکثر لوگ مناظرے کے اختتام تک موسم میں تبدیلی کے خواہشمندر نہ تھے۔ وہ بارہا یہ آزمائچے تھے کہ اگر آندھی یا بارش کی وجہ سے مناظرہ ایک یادو دن ماتوں ہو جائے تو مناظرین تازہ دم ہونے کے بعد پھر ابتدا سے بحث شروع کر دیتے ہیں۔ آج شام کے قریب افغانی مغرب پر سیاہی چھار ہی تھی لیکن لوگوں کا خیال تھا کہ اس موسم میں آندھی نہیں آسکتی۔ اس کے علاوہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ثالث کی درخواست پر لوگ یہ دعا بھی کر پچکے تھے کہ آج کی مجلس بخیر و خوبی ختم ہو۔

صفیں آراستہ ہو چکی تھیں۔ اور دین کے مورچوں میں بیٹھ کر علم کی توپیں گولہ باری کرنے والی تھیں لیکن آندھی کا ایک تند و تیز جھونکا آیا۔ مشعلیں بجھ گئیں۔ شامیانوں کی طنا میں ٹوٹ گئیں اور شامیانوں کے ساتھ لٹکے ہوئے فانوس کی بدولت دونوں اسٹیجوں پر آگ لگ گئی۔ علماء فتح کر باہر نکل آئے لیکن افراتفری میں وہ کئی بیش قیمت کتابیں باہر نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

چند بگولوں کے بعد ہوا ہتھم گئی اور مطلع صاف ہو گاے لیکن اسٹیجوں پر آگ کے شعلے آسمان سے باقی میں کر رہے تھے۔ ثالث کے اتنچ آگ سے محفوظ تھی۔ اس کا سائبیان بھی سلامت تھا۔ اسکے دائیں اور بائیں آگ کی بڑھتی ہوئی روشنی میں لوگوں نے دیکھا کہ ثالث کے قریب ایک شخص پاہیانہ لباس پہن کر کھڑا ہے اور وہ دونوں ہاتھ بلند کر کے خاموشی کی تلقین کر رہا ہے۔

قریب سے دیکھنے والے اکثر لوگوں نے اسے پہچان لیا اور تھوڑی دیر میں میدان کے ایک سرے سے دوسرے تک طاہر بن یوسف! طاہر بن یوسف!!

کی آوازیں آنے لگیں اور لوگ چاروں اطراف سے سمٹ کر ثالث کی میز کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ آگے لے لپکتے ہوئے شعلوں سے اس شامیانے کے لیے بھی خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن چند دنوں نے طنابیں کاٹ کر شامیانہ ایک طرف پھینک دیا۔ طاہر بن یوسف کو تقریر کے لیے آمادہ دیکھ کر ثالث نے کہا۔ میں اپنی مشیج سے کسی کو تقریر کی اجازت نہیں دے ستا۔ لیکن عبد الملک نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے کان میں کہا۔ آپ خاموش رہیں تو بہتر ہے ورنہ میرا خبر بہت تیز ہے۔ یہ جلسہ آپ کی صدارت میں ہو گا۔ آپ چپ چاپ بیٹھے رہیں!

مناظرین کی توجہ جلتے ہوئے سائبانوں کے نیچے دبی ہوئی کتابوں پر مرکوز تھی، اس لیے انہیں یہ احساس نہ تھا کہ ثالث کی مشیج پر کیا ہو رہا ہے اور جب وہ طاہر بن یوسف کا نام سن کر چوکنے ہوئے، وہ تقریر شروع کر چکا تھا اور اس کے یہ چند فقرے عوام کے توجہ جذب کرنے کے لیے کافی تھے:

”زندگی کا تم سخراڑا نے والو! اس آندھی اور آگے کو قدرت کی طرف سے ایک انتباہ سمجھو۔ تم نے بابل و نینوا کی تباہی کی داستانیں سنبھلیں ہوں گی لیکن خدا وہ دن نہ لائے جب مستقبل کے سیاح ماضی کے گھنڈ روپکھر کریے کہیں کہ یہاں کسی زمانے میں ایک عظیم الشان شہر آباد تھا۔ جس کا نام بغداد تھا۔ جس میں بیس لاکھ انسان آباد تھے۔ جس کے محل پانچ صد یوں کی تعمیری یادگار تھے لیکن بابل اور نینوا کے باشندوں کی طرح انہیں بھی ایک عبرت ناک تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ صرف اس لیے کہ وہ اپنی کوتاہی عمل کے جواز کے لیے خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی

تاویلیں کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن حکیم سے درسِ حیات لینا
ترک کر دیا تھا۔ قرآن نے انہیں اتحاد اور تنظیم کا درس دیا تھا لیکن
انکی زندگی کا اولین مقصد مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا کرنا
تھا۔ خدا نے انہیں نار سے جہاد کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ نار کو اپنا
حافظ و ناگہبان سمجھ کر آپس میں دست و گریبان ہو رہے تھے۔
بربریت کا بے پناہ طوفان ان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا
اور وہ آنے والے تباہی سے آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے پر
الفاظ کے تیر برسانا کافی سمجھتے تھے۔ بغداد کے لوگو! تمہارا خلیفہ
اور تمہارے امراء صرف چند سال امن اسے گزارنے کے لیے
تمہیں اور تمہاری آنے والی نسلوں کی عزت اور آزادی
تاتاریوں کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔ لیکن وہ امراء جو یہاں
موجود ہیں، کان کھول کر سن لیں کہ بغداد کا انجام خوارزم کے
شہروں سے مختلف نہیں ہو گا۔ تم نے بخاریوں کو بغداد کے خرمن تک
پہنچنے کی دعوت دی ہے۔ تم نے آگے کے شعلوں کو اپنے گھر بلایا
ہے۔ آگ صرف جلانا جانتی ہے اور یاد رکھو! جب وہ جلائے گی تو
محالوں اور جھونپڑوں میں تمیز نہیں کرے گی!

مسلمانو! تمہاری تاریخ شاہد ہے کہ آج تک تمہیں کسی کی
تلوار مغلوب نہیں کر سکی۔ تمہارے لو ہے نے ہر لو ہے کو کاٹا ہے۔
تمہاری مُٹھی بھرا فوج نے دشمن کی بڑی بڑی افواج کو شکستیں
دی ہیں۔ تمہاری کسی ناکامی کا باعث تمہاری کمزوری نہ تھی بلکہ تم

نے اگر کہیں شکست کھانی تو وہ تمہاری آپس کی بھوٹ کا نتیجہ تھی۔

تم نے اگر کہیں بتا ہی کا سامنا کیا تو وہاں تمہارے غداروں کا ہاتھ موجود تھا!“

ایک شخص نے بلند آواز میں کہا۔ جلال الدین کی شکستوں میں بھی کسی غدار کا ہاتھ تھا؟

ظاہر نے جواب دیا۔ کون کہتا ہے کہ جلال الدین کوتا تاریوں نے شکست دی؟ وہ ایک چنان کی طرح تاتاریوں کے سیاہ کی لہروں کا مقابلہ کرتا رہا۔ بڑے بڑے طوفان اسے متزلزل نہ کر سکے لیکن اس چنان کو با بود کرنے کے لیے تاتاریوں کو عالمِ اسلام کے معماروں نے اپنے تیشے پیش کیے۔ جلال الدین کو مایوس کر کے تم اپنے مدگار رکھو بیٹھے ہو۔ وہ بغداد کے دروازوں پر پہرا دے رہا تھا لیکن اس کی پیٹھی میں چھر اکھونپا گیا۔ اس نے چند برس تاتاریوں کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھتی تاکہ تمہیں تیار کا موقع مل جائے۔ ترکستان، خراسان اور ایران کے شہروں کا حشر تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا لیکن تم نے اجتماعی زندگی پر انفرادی موت کو ترجیح دی۔ تم نے اس شخص کے پاؤں پر گھاڑی ماری جو تمہارے حصے کا بوجھ بھی اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ بغداد کے لوگو! تمہاری مرضی سے یا تمہاری مرضی کے خلاف خلینہ نے تمہارے لیے کانٹے بوئے ہیں۔ تم مستقبل سے بھولوں کی توقع نہ رکھو۔ کیا تم یہ میں سوچتے کہ بغداد۔۔۔!

ظاہر نے اپنا فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ دریا کے اونچے کنارے کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوئی اور بیک وقت تین تیر طاہر کی زرہ میں اٹک گئے۔ اٹیج کے آس پاس چند آدمی زخمی ہوئے اور چاروں طرف افراطی مچ گئی۔ طاہر نے

اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی اور بلند آواز میں کہا۔ بغداد کے لوگو! میرا پیغام سن کر جاؤ

عبدالملک نے جلدی سے طاہر کو دھنکا دے کر مشیح سے نیچے اٹار دیا۔ تیروں کی ایک بوچھاڑ آئی اور مشیح کے آس پاس چند اور آدمی زخمی ہو گئے اور اتنی دیر یہ طاہر کے کئی عقیدت مند تلواریں سونت کر دریا کے کنارے کی طرف بھاگ رہے تھے اور نہتھے لوگ بھی ان کی تقاضید کر رہے تھے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے تیر انداز فوچکر ہو چکے تھے اور دریا میں چند کشتیاں دوسرے کنارے کا رُخ کر رہی تھیں۔ عبدالملک نے چند رضا کاروں کو کنارے پر پہرا دینے کے لیے کہا اور بھاگتا ہوا اپس طاہر کے پاس پہنچا۔ وہ بھاگ گئے لیکن تم زخمی ہو، چلو یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔

لیکن طاہر نے اپنی زرہ میں اٹکے ہوئے دو تیر لکھا کر پھینک دینے اور کہا۔ یہ زخم بہت معمولی ہیں۔ تیسرا تیر تم نکال دو۔

لیکن خون؟

چند قطرے کوئی بڑا نقصان نہیں۔ جلدی کرو! میں چند باتیں کہنا ضروری سمجھتا

ہوں۔

عبدالملک نے تیر نکالتے ہوئے کہا۔ تمہاری مرضی لیکن یہ وہ مردے نہیں جو صورِ اسرائیل سے جاگ اٹھیں۔

(۳)

طاہر پھر ایک بار مشیح پر کھڑا ہو گیا۔ لوگ خاموش ہو گئے۔ اس نے کہا۔

”بغداد کے لوگو! کیا تم نہیں سوچتے کہ تمہاری غداری کی

وجہ سے خوارزم کے لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا۔

تیمیوں کی آہیں اور بیواؤں کے آنسو بے اثر ثابت ہوں گے۔

یاد رکھو! بغداد کے وہ لوگ جنہوں نے خوارزم شاہ کے ساتھ غداری کی ہے، قوم کے وہ مجرم ہیں جنہیں قدرت کبھی معاف نہیں کرے گی۔ قدرت کے فیصلے اُمل ہیں۔ شاید میری دُنائیں انہیں بدل نہ سکیں لیکن اگر تم صرف زندہ ہی رہنا چاہتے ہو تو بھی میں تمہیں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم بغداد پھوڑ کر کہیں دُور چلے جاؤ۔ وہ شہر جس کے اندر اتنے غدار اور بد طینت لوگ ہوں۔ قدرت کے انتقام سے نہیں نجح سکتے۔ میرا مشورہ شاید ان لوگوں کے لیے قابل قبول نہ ہو جوتا تاریوں سے ملت فروشی کی قیمت وصول کر چکے ہیں لیکن عوام سے میں یہ کہوں گا کہ وہ یہاں نہ وہیں۔ تمہارے علماء کی فتنہ پروری، امراء کی غداری اور خلینہ کی عاقبت نا اندیشی کے باعث بغداد زمین کے سینے پر ایک ناصورہ بن چکا ہے اور قدرت جب جراحی پر آمادہ ہوتی ہے تو اس کا تیز اور بے رحم نشتر گندے خون کے ساتھ صاف خون بھی نکال دیتا ہے۔

یہ مت سمجھو کہ تمہارے خلینہ کی رُوحانیت تمہاری حفاظت کی ضامن ہے اور تاتاری چونکہ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں اس لیے تمہارے جیسے نام نہاد مسلمانوں پر بھی غالب نہیں آسکتے۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت صرف ان کے لیے ہے جو ان کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ تاتاری کافر ہیں لیکن وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہو لیکن عملی

طور پر تم خدا اور رسول کے احکام سے منکر ہو۔ تاتاری نظامِ ناطل کی فتح کے لیے سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ اسلام تمہیں جہاد کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام تمہیں یہ بتاتا ہے کہ تم دنیا سے تمام فتنوں کو ختم کرنے لیے پیدا ہوئے ہو لیکن تم خدا کے صریح احکام کے باوجود جنہش تک نہیں کرتے۔ یاد رکھو! ایسی پست ہمت اور بُرُّ دل قوم خدا کی رحمت کی مستحق نہیں بن سکتی۔ تم اسلاف کی امانت کو بوجھہ اٹھانیکے قابل نہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ تم مٹ جاؤ گے تو اسلام بھی مٹ جائے گا۔ انہیں خدا اپنے دین کا بول بالا کرنے کے لیے کسی اور قوم کو منتخب کر لے گا۔ خدا کا دین تمہارا محتاج نہیں۔ تم اس کا محتاج ہو۔ قدرت سے یہ بھی نہیں کہ وہ تم سے ما یوس ہو کر ان تاتاریوں کو جو آج اسلام کے بدترین دشمن ہیں اسلام کی پاسبانی کے لیے منتخب کر لے۔ اسلام کو ایسے دل کی ضرورت ہے جو خدا کے سوا کسی سے خالف نہیں ہوتا۔ ایسی گردن کی ضرورت ہے جو خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا نہیں چاہتی۔ ایسی تلوار کی ضرورت ہے جو خدا کی راہ میں فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر اڑ سکتا ہے۔ اسلام کو نیک دل، نیک حُدُو اور نیک طینت انسانوں کی ضرورت ہے جو اپنوں سے غداری نہیں کرتے۔ ان علماء کی ضرورت نہیں جو غار کی حکومت کے حق میں فتویٰ دیتے ہیں۔ ان علماء کی ضرورت ہے جو تیروں کی بارش اور تلواروں کی چھاؤں

میں کلمہ پڑھتے ہیں۔ خدا کے دین کو ان سنگ مرمر کے مکانوں
میں رہنے والوں اور بیش قیمت قبائیں زیب تن کرنے والے
امراء کی ضرورت نہیں، ان صابر و شاکر سپاہیوں کی ضرورت ہے
جو پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑ سکتے ہیں۔

بغداد کے لوگو! تمہارے لیے دور استہ ہیں۔ ایک یہ کہ تم
اپنی پچھلی کوتا ہیوں سے توبہ کر کے مستقبل کی فکر کرو اور آنے والی
مصیبت کے مقابلے کے لیے متعدد ہو جاؤ۔ لیکن یہ تم اس وقت
تک نہیں کر سکتے جب تک تم بغداد کی گلی کو چوں کو غداروں اور
تفرقہ بازوں کے وجود سے پاک نہیں کر دیتے۔ تمہارے لیے
دوسراء راستہ یہ ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ۔ اس پر خدا
کا قہر نازل ہونے والا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ دجلہ کا پانی
تمہارے خون سے سُرخ ہونے والا ہے اور تاتاری کھوپڑیوں
سے اپنی فتح کی یادگاریں تعمیر کر دیوائے ہیں۔ یہ شہر وحشت اور
بربریت کا وہ دور دیکھنے والا ہے جو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔
شاید بغداد کی تباہی کے سامنے بابل اور نینوا کی تباہی کی داستانیں
بھی ماند پڑ جائیں۔

اس آقریر کے اختتام کے ساتھ میں بغداد میں اپنا آخری
فرض پورا کرتا ہوں، اس کے بعد تم مجھے نہیں دیکھو گے اور یہ اس
لیے نہیں کہ میں خطرے سے بھاگ رہا ہوں۔ بلکہ اس لیے کہ
میں خود کشی کرنے والوں کا ساتھ دینے کی بجائے ان لوگوں کا

ساتھ دینا بہتر سمجھتا ہوں جو زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ میں اس لیے
جارہا ہوں کہ تم میری ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن اگر مجھے یہ
معلوم ہوا کہ تم زندہ رہنے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے اور تم بغداد کو
غداروں کے وجود سے پاک کرنے کے لیے تیار ہو اور تاتاریوں
کی حفاظت میں زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دیتے ہو تو میں عزت
کی موت میں تمھارا ساتھ دے سَتتا ہوں۔ فُلت کی زندگی میں
تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔۔۔۔۔

مناظرین نے اطمینان کا سانس لیا اور طاہر آشیج سے اتر کر عبد الملک اور چند
نو جوانوں کے ساتھ تاریکی میں غائب ہو گیا۔

عبد الملک ایک دن پہلے اپنے بچوں کو بغداد سے روانہ کر چکا تھا۔ پندرہ ہیں
اور نوجوانوں کی جماعت شہر سے باہر ایک مقام پران کے لیے گھوڑے لیے کھڑی تھی
۔ جلسہ گاہ سے نکل کر عبد الملک نے کہا۔ اگر آپ زخموں کی وجہ سے سفر کرنا تکلیف دہ
سمجھتے ہوں تو ابھی تک چند پناہ گاہیں ایسی ہیں جن تک حکومت کے سپاہی نہیں پہنچ
سکتے۔

طاہر نے جواب دیا۔ نہیں۔ زرہ میں ان تیروں نے کوئی اثر نہیں کیا۔
معمولی زخم ہیں مجھے تو ان کا احساس بھی نہیں لیکن جانے سے پہلے میں بغداد
میں ابھی ایک اور فرض پورا کرنا چاہتا ہوں اور شاید اس متقصد کے لیے ہمیں چند
نو جوانوں کی مدد لیما پڑے۔

وہ کیا؟

مہلب بن داؤد سے چند باتیں۔

لیکن اس وقت وزیر اعظم کے محل میں داخل ہونا آسان نہیں۔

مجھے ایک آسان راستہ آتا ہے۔

کتنے آدمیوں کی ضرورت ہے؟

زیادہ سے زیادہ دس!

تو چلیے! لیکن جہاں آپ دس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں میں وہاں پندرہ
لے جان ضروری سمجھتا ہوں۔

بہت اچھا۔ پندرہ کہی لیکن اس مہم میں آدمیوں سے زیادہ احتیاط کی ضرورت

ہے۔

انجام

وزیر اعظم مہلب بن داؤد اپنے محل کے اس کشادہ کمرے میں بیٹھا ہوا تھا جو دریا کنارے کی طرف تھا۔ ناظم شہر، قید خانے کا داروغہ اور بغداد کی افواج کا سپہ سالار قشمور اس کی محفل میں شریک تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا اور بغداد کے تازہ حالات پر تبصرہ ہو رہا تھا۔

مہلب نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ فتح گیا ہو گا۔ اُس دن اتنا خطرناک زہر اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ معمولی زخم اس کا کیا کریں گے؟

ناظم شہر نے جواب دیا۔ نہیں میں کوتوال سے تسلی کر کے آیا ہوں، اتنے فاصلے سے کم از کم چار تیر لگانے کے بعد وہ زندہ نہیں رہ سکتا اور اُس دن کے زہر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اس کے پاس یقیناً کوئی تریاق ہو گا۔

لیکن وہ بہت دُور اندیش ہے۔ ممکن ہے زرہ وغیرہ پہن کر آیا ہوں۔ کوتوال نے اسے گرتے ہوئے دیکھا تھا؟

میری ہدایت تھی کہ وہ فوراً کشتیوں پر پیشوں کر دوسرے کنارے پہنچ جائیں۔ اس لیے وہ نتائج کا انتظار نہ کر سکے۔

مہلب نے کہا۔ اس نے پھر اس پر امن شہر میں آگے لگادی ہے۔ اب مجھے پھر ایک بار تاتاریوں کو مضمون کرنا پڑے گا اور میرے خیال میں ان کا مطالبه یہی ہو گا کہ ان کے خلاف اشتعال پھیلانے والوں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا جائے۔

داروغہ نے کہا۔ اس کے سوا ہمارے لیے کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ طاہر کو اگر موقع ملا تو ہمیں یقیناً زک پہنچائے گا۔

ناظم شہر نے کہا۔ لیکن ہماری طرف سے فوری کارروائی پر عوام ہمارے خلاف

بہت زیادہ مشتعل ہو جائیں گے اور عوام کو جوش و خروش دیکھ کر خلیفہ بھی ہمیں شاید فوری اقدام کی اجازت نہ دے۔ آج تقریر اُس کا اعلان کیا ہے کہ وہ بغداد سے جا رہا ہے۔ اگر وہ واقعی چلا گیا تو یہ معاملہ خود مخون ٹھنڈا ہو جائے گا اور اگر اس نے یہاں ٹھرنے کی کوشش کی تو علماء کے ایک بہت بڑے گروہ کو ہم اس کی مخالفت پر آمادہ کر چکے ہیں اور ان کے پیرواؤ سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ آج اُس کی تقریر غیر متوقع تھی ورنہ ہم جلسے میں اگر بڑا لئے کیئی آدمیوں کو ذکر کر سکتے تھے۔ آئندہ لے لیے یہ انتظام کروں گا کہ اسے ٹوکنے کے لے ہر مسجد اور ہر چوک میں علماء موجود ہیں۔ کافی تک کم از کم ڈیڑھ سو علماء کی طرف سے یہ نتویٰ مشتہر کیا جائے گا کہ اس کے مقاصد با غایانہ ہیں۔

اچانک طاہر نگی تلوار لیے اندر داخل ہوا اور اس نے کہا۔ تمہیں غلط فتویٰ مشترہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مہلب کے ہاتھ سے شراب کا جام، گر پڑا اور اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ قشمور نے جلدی سے اٹھ کر تلوار کے قبضے کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن طاہر نے بھلی کی سی تیزی سے اپنی تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا:

بیٹھ جاؤ!

قمشور غصے سے ہونٹ کا ڈما ہوا بیٹھ گیا۔

مہلب نے منجھلاتے ہوئے کہا۔ تم یہاں کس نیت سے آئے ہو؟ طاہر نے جواب دیا۔ تم مدت سے میرے بیچھے سرگردان تھے اور میں بغداد چھوڑنے سے پہلے تم سے چند باتیں کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میری آواز پر پچاس پہرے دار یہاں اکٹھے ہو سکتے

طاہر نے اطمینان سے جواب دیا۔ پچاس نہیں، پنٹالیس۔ پانچ دریا کے کنارے اونگھر ہے تھے۔ وہ ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر تم نے دوسروں کو آواز دی تو تمہاری آواز آخری ثابت ہوگی۔

عبدالملک کے ساتھ پانچ اور نوجوان ننگی تلواریں لیے کمرے میں داخل ہوئے۔

طاہر نے کہا۔ اندر زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ باہر کا خیال رکھو۔ عبدا لمک نے اشارے پر دونوں جوان باہر نکل گئے اور باتی تین ناظم شہر، قشم و راورد و غدہ کے سروں پر کھڑے ہو گئے۔

طاہر نے کہا اُٹھیے!

مہلب نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔ تم کیا چاہتے ہو؟

طاہر نے جواب دیا میں کہہ چکا ہوں کہ میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

میں تمہارا مطالبہ ماننے کے لیے تیار ہوں۔ کہو کیا چاہتے ہو؟

صرف یہ کہ تم سب ہمارے ساتھ چلو!

”کہاں؟“

”جہاں ہم لے جائیں“

”اوراگر میں انکار کروں تو؟“

”مجھے مجبوراً اپنی تلوار استعمال کرنا پڑے گی۔ اسے ہاتھ لگا کر دیکھ لو!“

طاہر نے یہ کہتے ہوئے آہستہ سے تلوار کی نوک اس کے سینے میں چھوڑ دی۔

”نہیں نہیں، خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بغداد چھوڑ کر

چلا جاؤں گا!"

"مجھے تمہارے وعدوں پر یقین نہیں اور اسی لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے

جانا چاہتا ہوں"

"کہاں؟"

"بغداد سے دور کسی ایسے مقام پر جہاں سے لوٹ کر تم پھر یہاں نہ آسکو۔"

"تم یہ وعدہ کرو کہ مجھے قتل نہیں کرو گے؟"

طاہر نے کہا۔ "اگر میں وعدہ کروں تو تمہیں یقین آجائے گا!"

"میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتے۔"

عبدالملک نے کہا۔ "بغداد کے مناظرے سن کر اسے بحث کی عادت پڑ گئی

اس کا علاج میں جانتا ہوں۔"

طاہر کو ایک طرف ہنا کر عبدالملک نے اپنی تلوار کی نوک مہلب کی گردن پر رکھ

کر آہستہ سے دباتے ہوئے کہا۔ "انجھتے ہو یا.....!"

مہلب نے گھکھایا کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھ پر حرم کرو۔ میں چلتا ہوں۔"

"آہستہ بولو!" عبدالملک نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

قشمور نے دوبارہ تلوار کے قبضے کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی لیکن طاہر

نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے پیٹ پر تلوار کی نوک رکھ دی اور اس کے ساتھی

نے اس کے نیام سے تلوار نکال لی۔

قشمور نے کہا۔ "بہادر کسی کے ہتھیار چھین کر اس پر حملہ نہیں کیا کرتے!"

طاہر نے کہا۔ "تم اطمینان رکھو، تمہیں اپنی تلوار کے جو ہر دکھانے کا موقع بھی

مل جائے گا۔"

”اگر تم یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں!“

”میں وعدہ کرتا ہوں اور تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے تلوار کے مقابلے کے لیے ہماری طرف سے بھی ایک ہی تلوار ہو گی!“
تشمور نے کہا۔ ”چلو!“

طاہرنا ظلم شہر اور داروغہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اٹھو۔ تمہاری بھی ضرورت ہے۔“

(۲)

مہلب اور اس کے ساتھی اپنی پسلیوں پر تلواروں کی تیز نوک کا دباؤ محسوس کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے۔ طاہر کے باقی آٹھ دس ساتھیوں نے جواب بھی تک باہر کھڑے تھے، انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ دریا کے کنارے دو کشتیاں کھڑی تھیں۔ طاہر کے ساتھی مہلب کی سیر کی تمام کشتیوں کے رستے کاٹ کر انھیں دریا میں دھکیل چکے تھے۔ ایک کشتی میں پانچ پہریدار جنھیں انہوں نے دریا کے کنارے نیم خوابی کی حالت میں آدبو چا تھا، رسیوں میں جکڑے ہوئے پڑے تھے

طاہر نے مہلب کو کشتی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا اور اس کے اشارے سے زیادہ عبدالملک کی تلوار کی نوک سے مجبور ہو کر کشتی پر سوار ہو گیا۔ تشویر، ظلم اور داروغہ نے اس کی تقلید کی۔ طاہر کے آٹھ ساتھی اس کشتی میں سوار ہو گئے اور باقی سات دوسری کشتیوں میں رسیوں سے جکڑے ہوئے پہرے داروں کے ساتھ بیٹھ گئے۔

تحوڑی دیر بعد کشتیاں دریا کی منجدھار میں پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیر رہی تھیں۔

مہلب نے چند بار نہایت عاجزی سے سوال کیا۔ ”تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟“

عبدالملک ہر بار یہی جواب دیتا۔ ”فکر نہ کرو، تمہاری منزل بہت نزدیک ہے۔“

آباد کناروں سے آٹھ کوں دور نکل جانے کے بعد طاہر نے کشتنی میں پڑے ہوئے پھر وہ میں سے ایک اٹھا کر مہلب اور اس کے ساتھیوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ”تم جانتے ہو یہ پھر کس کام آتے ہیں؟“

مہلب بل بل اٹھا۔ ”نہیں نہیں، یہ ظلم ہے خدا کے لیے مجھ پر حرم کرو!“ طاہر قشمور کی طرف متوجہ ہوا۔ کیوں حضرت! آپ ہی بتائیں، بھلا یہ سوال پوچھنا ظلم ہے کہ دریا کے کنارے پڑے ہوئے پھر کس کام آتے ہیں؟ ”میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔“

عبدالملک نے کہا۔ ”یہ موئی عقل کے آدمی ہیں، ان سے ایسے سوالات نہ پوچھنے۔“

قشمور نے غصے کا نپتے ہوئے کہا۔ ”تم نے میرے ساتھ بہادروں کی طرح مقابلہ کرنے کا وعدہ کیا تھا؟“

طاہر نے کہا۔ ”میرے دل میں بہادری کے لیے عزت ہے اور میں عبدالملک کو تنبیہہ کرتا ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش نہ آئے اور اس کے ساتھ ہی مجھے آپ سے توقع ہے کہ آپ بزدلوں کی اعانت نہ کریں گے۔ میں آپ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، نہیں بلکہ آپ کو قاضی سمجھ کر آپ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتا ہوں۔“

قشمور نے کہا۔ ”لیکن میں صرف سپاہی ہوں!“

”میرا مقدمہ کوئی پیچیدہ نہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے میری کمر کے ساتھ پتھر بندھوا کر مجھے دریا میں ڈلوادیا تھا، اگر وہ شخص مجھے مل جائے تو اسے کیا سزا دوں؟“
قشمور نے کہا۔ ”اگر وہ مل جائے تو تم اس کے ساتھ وہی سلوک کر سکتے ہو!“
طاہر نے کہا۔ ”مجھے ایک بہادر سپاہی سے یہی امید تھی۔ داروغہ کی کمر کے ساتھ یہ پتھر باندھ دو!“

طاہر کے تین ساتھیوں نے داروغہ کو زبردستی منہ کے بل لٹا دیا۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی۔ لیکن عبدالملک نے توارکی نوک اس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”خبردار! اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو میں ذبح کر ڈالوں گا!“

جب اس کی کمر کے ساتھ پتھر باندھا جا رہا تھا تو مہلب نے اٹھ کر دریا میں چھانگ لگانے کی کوشش کی لیکن طاہر نے باسیں ہاتھ سے اس کی کپیٹی پر ایک مکا رسید کیا اور وہ تیورا کر کشتی میں گر پڑا۔ ناظم شہر نے بھی اٹھنے کی کوشش کی لیکن طاہر کے ایک ساتھی نے پچھے سے اس کے گلے میں رتہ ڈال کر اسے پیٹھ کے بل کشتی میں گرا دیا۔

تحمودی دیر کی جدوجہد کے بعد ناظم شہر اور مہلب کی پیٹھ پر بھی پتھر باندھ دینے گئے۔

مہلب، عبدالملک کی دھمکیوں کی پرواہ کرتے ہوئے چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ میرا پتھران دونوں سے بھاری ہے، یہ مجھ سے بہتر تیراک ہیں، خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں ایک لاکھ اشرفتی دینے کے لیے تیار ہوں!“
طاہر نے کہا۔ ”نہیں نہیں۔ قریباً آدمی اسلامی دنیا کی تباہی کے لیے یہ

معاوضہ بہت چھوڑا ہے!“

”میں تمہیں دولا کھدیتا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو!“

طاہر نے کہا۔ ”لیکن اس رقم سے تو ہم خوارزم کا ایک اجڑا ہوا شہر بھی دوبارہ نہیں بسا سکتے!“

”میں تمہیں پانچ لاکھ دیتا ہوں، اس سے زیادہ میرے پاس نہیں۔“

”لیکن تمہارا باپ شاید ایک غریب آدمی تھا۔ تم نے اتنی دولت کہاں سے جمع کر لی؟ میرے خیال میں تم جان بچانے کے لیے جھوٹ کہہ رہے ہو؟“
”نہیں، خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا۔ میرے پاس پانچ لاکھ اشرفیاں اور اتنی مایت کے جواہرات بھی ہیں، مجھے چھوڑ دو۔ میں یہ تمام دولت تمہیں دینے کے لیے تیار ہوں!“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے بغداد کے لوگوں سے رشوت کا مال جمع کیا ہے؟“

”نہیں۔ خدا کی قسم میں نے رشوت نہیں لی!“

”تو پھر یہ دولت کہاں سے آئی؟“

”میں نے تاتاریوں سے حاصل کی تھی!“

”جہاں تک مجھے معلوم ہے تاتاریوں نے صرف ایک شخص کو مالا مال کیا تھا اور وہ، وہ تھا جس نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی صورت میں خلینہ کی غیر جانبداری کا ثبوت دے دیا تھا۔ جس نے وحید الدین کو قید کر کے زہر دے دیا تھا۔ جس نے وزیراعظم کو قتل کیا تھا، جو خلینہ مستنصر کے پاس تاتاریوں کی دوستی کا پیغام لے کر آیا تھا۔“

مہلب نے کہا۔ ”میں اپنے تمام جرائم کا اقبال کرتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف کرو۔ میری جان لینے سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔“

طاہر نے جواب دیا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تمہاری موت کے باوجود بغداد پر جو تباہی آنے والی ہے، وہ آکر رہے گی۔ بغداد میں منافقوں اور غداروں کی تعداد تمہارے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہے لیکن بغداد کی تباہی کے اسباب پیدا کرنے کرنے کے بعد تاتاریوں سے انعام حاصل کرنے والے تم نہیں، کوئی اور ہوگا۔ تم نے تاتاریوں کے لیے بغداد کے دروازے کھولے ہیں لیکن ان کی تلواروں کے سامنے میں مسلمانوں پر حکومت کرنے والے غدار تمہارے خاندان سے نہیں، کسی اور خاندان سے ہوں گے!“

ناظم شہر نے کہا۔ ”تمہیں زہر دینے اور دریا میں پھینکنے کی سازش میں میرا کوئی باتھ نہیں تھا!“

طاہر نے کہا۔ ”تو پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرے خلاف ایسی سازش کی گئی ہے؟“

”مجھے داروغہ نے بتایا تھا۔“

داروغہ نے کہا۔ ”بزرگی مبت بنو۔ ہمارے بغیر تمہارے دل اس دنیا میں کیسے لگ گا؟“

طاہر نے کہا۔ ”اب تم یہ فیصلہ کر لو کہ خود دریا میں کو دنایا پسند کرو گے! ہم تمہارے باتھ پاؤں پکڑ کر دریا میں پھینک دیں؟“

داروغہ نے کہا ”ہم پر اگر کوئی احسان کرنا چاہتے ہو تو یہ ہو ستا ہے کہ ہمیں ایک ساتھ کو دنے کا موقع دو!“

ظاہر نے کہا۔ ”مجھے منظور ہے۔ میں آخری وقت میں تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا اور پھر یہ پھر وزن میں اس پھر سے زیادہ نہیں جس کا بوجھا لٹھا کر میں نے دریا عبور کیا تھا۔“

ناظم نے کہا۔ ”لیکن ہم تیراک نہیں۔“

”تو اس صورت میں ہمیں تم کو زبردستی پانی میں پھینکنے کی تکلیف اٹھانا پڑے گی عبد الملک! پہلے مہلب کی باری ہے۔“

داروغہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”اگر ایک ایک کر کے ہمیں پانی میں دھکیا گیا تو تمہارا ڈوب جانا لائق ہے۔ اگر اکٹھے کو دو تو میں تمہیں سہارا دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ یہ پھر بہت معمولی ہیں اور میں اس سے زیادہ بوجھا لٹھا کر دریا عبور کر سنبھالتا ہوں۔“

ظاہر اور اس کے ساتھی داروغہ کے اس ایشار پر حیران تھے ”کیونکہ جسمانی لحاظ سے وہ اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ نجیف تھا تاہم انھیں اطمینان تھا کہ اتنا بوجھا لٹھا کر کوئی بھی کنارے تک نہیں پہنچ سکے گا۔“

داروغہ نے کہا۔ ”آپ ہمیں ایک ساتھ کو دنے کی اجازت دیتے ہیں؟“

ظاہر نے کہا۔ ”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

داروغہ اٹھ کر کشتنی کے سرے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ ”میں جا رہا ہوں اگر تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے تو میرے ساتھ آؤ۔ ورنہ میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھوں گا۔“

ناظم اور مہلب جھٹ اٹھ کر اس کے قریب کھڑے ہو گئے۔ داروغہ نے بازو پھیلا کر کہا۔ ”اپنی گرد نہیں میری بغل میں دے لو۔ میں تمہیں منجد ہمارے نکال دوں

گا اور اس کے بعد تمہاری قسمت!“

ڈوبتے کوئنکے کا سہارا ناظم اور مہلب نے اپنی تقدیر یار و غد کے سپرد کر دی۔

عبدالملک نے طاہر کے کان میں کہا۔ ”یہ تیرنا بالکل نہیں جانتا۔ میں اسے اس

وقت سے جانتا ہوں جب یہ فوج میں تھا۔“

طاہر نے کہا۔ ”مجھے معلوم ہے۔ ایک تیرا ک اس قدر بے وقوف نہیں ہو سنتا۔

“

تینوں چھوڑی دیر تذذب کی حالت میں کشتنی کے سرے پر کھڑے رہے۔

بالآخر طاہر کے ساتھیوں نے انھیں تلواروں سے ہائک کر دیا میں کو دنے پر مجبور کر

دیا۔

”مجھے چھوڑ دو، تم تیرنا نہیں جانتے، جھوٹ، فربتی، دغاباز، مکار، ہمیں چھوڑ

دو۔ مہلب اور ناظم شہر پانی میں با تھہ پاؤں مارتے ہوئے چلا رہے تھے۔ لیکن

دار و غد کی گرفت ڈھیلی نہ ہوتی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”ہم نے زندگی اور موت

میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا..... عبد کیا تھا.....!“

وہ چند بار ڈوب کر ابھرنے کے بعد پانی میں غائب ہو گئے۔

اس عرصہ میں دونوں جوان قشمور کے سر پر تلواریں تانے کھڑے رہے۔ طاہر اور

عبدالملک کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر قشمور نے کہا۔ ”تم نے مجھے ایک پاہی کی موت

مرنے کا موقع دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

طاہر نے جواب دیا۔ ”ہم تمہاری خواہش پوری کریں گے۔“

”تم نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میرا مقابلہ صرف ایک آدمی سے ہو گا۔“

”ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔“

آدھی رات کا چاندن مودار ہو چکا تھا۔ دونوں کشتیاں کنارے پر لگیں۔ طاہر نے اپنے دوسرا تھیوں کو دوسری کشتی میں پڑے ہوئے پانچ اسیروں پر پیرہ دینے کے لیے کہا اور اس کے باقی ساتھی اس کی ہدایت کے مطابق کشتیوں سے اتر کر کنارے اور پانی کے درمیان ریت کے ایک چھوٹے سے ٹاپو پر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد عبدالملک اور طاہر نے قشمور کو تلواروں کے پہرے میں کشتی سے اتارا جب ان کے ساتھیوں نے قشمور کے گرد دائرہ بنالیا تو طاہر نے اس کی چھینی ہوئی تلوار واپس دینے کا حکم دیا۔

عبدالملک نے طاہر کے کان میں کہا۔ ”تیروں سے زخمی ہونے کے بعد تمہارا بہت ساخون ضائع ہو چکا ہے۔ اس لیے مجھے اس سے تنخ آزمائی کی اجازت دو۔“ طاہر نے جواب دیا۔ صفیہ کی شہادت کے بعد میں نے ایک عہد کیا تھا اور میں اسے پورا کرنا چاہتا ہوں، تم میری فکر نہ کرو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

عبدالملک نے بہت اصرار کیا جب وہ دلبی زبان سے ایک دوسرے کو سمجھانے کی بجائے بلند آواز میں بحث کرنے لگے تو قشمور نے کہا۔ ”میرے مقابلے کے لیے کسی ایسے شخص کو سامنے آنا چاہیے تو میرا ہم پلہ ہو۔ بدستمی سے تم دونوں میں سے کوئی میرا ہم رتبہ نہیں۔ تاہم میں طاہر کرت زیجح دیتا ہوں۔“

طاہر نے عبدالملک کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے نیام سے تلوار نکال لی اور کہا ”تیار ہو جاؤ!“

خشمور نے تلوار کو جہنمیش دیتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ”میں تیار ہوں، رات کی خاموشی میں تلواروں کی جہنم کار سنائی دینے لگی۔ تھوڑی دیر تیز و تند حملے کرنے

کے بعد قشمور مغلوب ہو کر پچھے ٹئے لگا۔

طاہر نے کہا۔ ”پانی میں کوڈ نے کا ارادے سے پچھے ٹئے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے تمہیں بہادروں کی طرح اڑنے کا موقع دینے کا وعدہ کیا تھا، بھاگنے کا موقع دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا!“

قشمور نے کہا ”تو تمہارے نزدیک میری سزا موٹ کے سوا کچھ نہیں؟“
طاہر نے کہا۔ ”تمہیں اپنی موٹ کا یقین ہو چکا ہے؟“

”ہاں اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے زخموں کے متعلق میرا اندازہ صحیح نہ تھا۔ میں نے عبدالملک کی بجائے تمہیں مقابلے کے لیے منتخب کرنے میں غلطی کی ہے۔“

”تم اس غلطی کی تلافی کر سکتے ہو۔“

”وہ کیسے؟“

”ہتھیار ڈال کر۔“

طاہر کو ذرا ڈھیلا ہوتا دیکھ کر قشمور نے اچانک پنیر ابدلا اور اس پر پے در پے کئی وار کر دینے۔ ایک بار اس کی تلوار ہوا میں سمنا ہیٹ پیدا کرتی ہوئی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ طاہر نے نیچے جھک کر اپنی گردان بچاتے ہوئے اس پر اچانک ایک سیدھا وار کر دیا۔ قشمور تیوارا کرز میں پر گرا۔ طاہر کی تلوار اس کے پیٹ سے آر پار ہو چکی تھی۔

طاہر نے جھک کر اس کے دامن سے تلوار پوچھتے ہوئے عبدالملک کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اگر یہ تو بہ کر لیتا تو میں یقیناً سے چھوڑ دیتا لیکن اس نے مجھے باتوں میں لگا کر یہ خیال کیا کہ میں بے پرواہ گیا ہوں!“

عبدالملک نے کہا۔ ”چلنے اب دیر ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں کشتیاں پانی میں دھکلیں دیں اور قیدیوں کو وہ ہیں رہنے دیں۔ صبح تک یہ کشتیاں کافی دور نکل جائیں گی اور جب تک کوئی قیدیوں کو زوال کر ان کی سرگزشت پوچھئے گا، ہم بہت دور جا چکے ہوں گے۔“

طاہر نے سوال کیا۔ ”ہمارے گھوڑے یہاں سے کتنی دور ہیں؟“

عبدالملک نے جواب دیا۔ ”کوئی آدھ کوں کے فاصلے پر۔“

(۲)

عبدالملک کی ہدایات کے مطابق بغداد سے اس کے چند دوست ایک دن قبل اس سرانے میں پہنچ چکے تھے جہاں وہ خوارزم شاہ کے ڈیڑھ سو سا ہیوں کو ٹھبرا گیا تھا۔ عبدالملک کی بیوی اور دو بچے بھی جن میں سے ایک آٹھ سالہ لڑکا اور دوسری پانچ سالہ لڑکی تھی، اس جگہ پہنچ چکے تھے۔

تیرے دن شام کے وقت طاہر اور عبدالملک بیس سواروں کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور چوتھے دن علی الصباح اس قافلے نے ہندوستان کا رخ کیا۔

چند دنوں کے بعد جب وہ چھوٹی چھوٹی پیاریوں میں گزر رہے تھے تو طاہر نے ایک باند ٹیلے پر پہنچ کر گھوڑا روکا اور شامل کے باند پیاریوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تصور میں ایک ندی کے کنارے پتھروں کا وہ انبار دیکھ رہا تھا جس کے نیچے صفیہ دامنی نیند سورہی تھی۔ عبدالملک نے گھوڑا روک کر کچھ دیر اس کا انتظار کیا اور بالآخر بولا۔ ”طاہر! کیا سوچ رہے ہو؟“

طاہر نے چونک کراس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے

تھے۔

عبدالملک نے مغموم لجھے میں کہا۔ ”چلو! قافلہ دو رجا چکا ہے۔“

طاہر نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔ ”عبدالملک! میں سوچتا ہوں کہ بغداد سے اس درجہ مایوس ہونے میں ہم نے غلطی تو نہیں کی؟“

عبدالملک نے جواب دیا۔ ”نہیں، میرے خیال میں ہم نے بغداد کے لوگوں سے اتنی بڑی توقعات وابستہ کرنے میں غلطی کی تھی۔“

”کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شہر جو صفیہ جیسی اڑکیاں پیدا کر سنتا ہو، ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے؟“

”جس شہر میں مہلب جیسے ہزاروں انسان موجود ہوں، اسے تباہی سے کوئی نہیں بچا سنتا۔ صفیہ نے تو ایسے شہر کی مٹی میں دن ہونا بھی قبول نہیں کیا جس پر خدا کا قبر نازل ہونے والا ہے۔“

”عبدالملک! ہم اپنے فرض سے بھاگ تو نہیں رہے؟“

”نہیں۔ ہم وہاں جا رہے ہیں جہاں ہمیں فرض بلارہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان میں رہ کر ہم قوم کی کوئی صحیح خدمت کر سکیں گے۔ سلطان امتش کو ہماری تلواروں کی ضرورت ہے۔ بغداد میں ہم اپنا فرض پورا کر چکے ہیں۔ جو لوگ خود کشی کا ارادہ کر چکے ہوں انھیں کوئی نہیں بچا سنتا۔ جب ایک ایسی قوم کو جو طوفان میں غرق ہونے کا ارادہ کر چکی تھی، نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی تباہی سے نہ بچا سکتے تو ہم کون ہیں؟ ہم نے اہل بغداد کو ان کے راستے کے مہیب گز ہے دکھانے کی کوشش کی لیکن وہ آنکھیں بند کر کے چلنے پر مصر ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور؟ خوارزم کے شہر ان کے سامنے ایک ایک کر کے تباہ ہوئے لیکن قدرت کی طرف سے با ربار تنیہ سے کے باوجود انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی۔“

اہل بغداد تزل کی اس آخری گھر انی تک پہنچ چکے ہیں جہاں سے انھیں اٹھانا کسی انسان کا کام نہیں۔ جس بستی کے ہر پانچ آدمیوں میں سے ایک غدار ہو، اسے تباہی سے کون بچا ساتا ہے؟ ایک قوم کو تباہ کرنے کے لیے مہلب جیسا ایک آدمی کافی ہوتا ہے اور بغداد میں تو ہزاروں مہلب موجود ہیں۔“

طاہر نے کہا۔ ”بغداد کی تباہی کے آثار مستعصم کی تخت نشینی کے ساتھ مکمل ہو جائیں گے۔ میں نے سنا ہے کہ اسے شراب، عورتوں کے ناقچ اور راگ کے سوا کسی شے کا شوق نہیں۔ میرے خیال میں ایسے شخص کا خلینہ اُس مسلمین کہانا ہی بغداد کی تباہی کے لیے کافی ہوگا۔ وہ جس شخص کو اپنا وزیر بنائے گا وہ مہلب سے یقیناً زیادہ عیار ہوگا۔“

(۵)

طاہراً و عبد الملک اُمتش کی فوج کے بہترین جرنیلوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ جلال الدین خوارزم شاہ کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ تاری اس کی تلاش میں آذربایجان، قفقاز اور آرمینیا کا کونہ کونہ چھان چکے تھے۔ ان کی طرف سے بارہا اس کی موت کا اعلان ہو چکا تھا۔ لیکن دنیا یہ ماننے کے لیے تیار تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ طاہر عزت اور شہرت کے آخری زینے پر پہنچ چکا تھا، دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہ تھی جو اسے میسر نہ تھی۔ ٹریا کی محبت اس کے لیے گھر کی چار دیواری کو خلد بریں بنانے کے لیے کافی تھی۔ بڑھاپے میں اس کے تین بیٹے تیغ زنی اور دوسرے فنون حرب میں نام پیدا کر چکے تھے۔ ٹریا کا بھائی اسماعیل تجارت کے میدان میں نام پیدا کر چکا تھا۔ عبد الملک کا مکان طاہر کے مکان کے ساتھ تھا اور

اس کے لڑکے بھی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ مبارک اور طاہر کے باقی تمام ساتھی فارغ البالی سے زندگی کے دن گزار رہے تھے۔

دہنی میں ہزاروں افراد ایسے تھے جن کے لیے طاہر کی زندگی قابلِ رشک تھی لیکن طاہر کو ایک خلش ہمیشہ بے چین رکھتی اور یہ بغداد کی یاد تھی۔ ماضی کا غبار اس کی نگاہوں سے بغداد کو اوجھل نہ کر سکا۔

دہنی میں پندرہ سال فوجی اور سیاسی خدمات سرانجام دینے کے بعد وہ اپنی باقی زندگی اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کر چکا تھا اور عبد الملک ہرمیدان میں اس کا ساتھ دینے کا عزم کر چکا تھا۔ ہندوستان کے غیر مسلموں کو خدا کے دین کی دعوت دینے کے بعد انھیں ایک رو حانی تسلیکیں حاصل ہوتی لیکن جب کبھی کسی مجلس یا اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے طاہر کو بغداد کا خیال آتا تو وہ جلدی سے تقریر ختم کر کے کسی گوشہ تھہائی میں جا بیٹھتا اور پھر وہ سوچتا رہتا۔ وہ بار بار اپنے دل میں کہتا۔ ”کاش! میں اس شہر کو تباہی سے بچا سنبتا!“ وہ اپنے آپ کو کوستا۔ عبد الملک آکرا سے تسلی دیتا اور کہتا۔ ”طاہر! تمہاری وجہ سے ہندوستان کے کئی ہزار انسان کلمہ پڑھ چکے ہیں اور ابھی کروڑوں انسانوں کے پاس خدا کا پیغام پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اب بغداد کے متعلق سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بغداد کی زمین بخیر تھی، اس لیے وہاں تم نیکی کا بیج نہ اگا سکے۔ ہندوستان کی زمین زرخیز ہے، یہاں ہمیں اپنی محنت کا پھل مل رہا ہے!“

”تم درست کہتے ہو!“ طاہر یہ کہہ کر اٹھتا اور پھر اپنا کام شروع کر دیتا۔

(۶)

اٹھائیں برس گزر گئے اور ان اٹھائیں برسوں میں زمانہ کئی بار کروٹیں بدل چکا

تھا..... ایران میں چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان حکمران تھا اور بغداد میں مستعصم کی خلافت کا تیسرا سال تھا۔ تاتاری بغداد پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ خلیفہ کے وزیر ابن علّامی نے ہلاکو خان کے ساتھ سازباز کر کے خلیفہ کو یہ مشورہ دیا کہ علم اور روحانیت کے اس مرکز میں تین لاکھ فوج کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خزانے پر ایک غیر ضروری بوجھ ہے۔ چنانچہ بغداد میں چند ہزار سپاہیوں کے سوا باقی تمام فوج کو دامنی رخصت دی جا چکی تھی۔ دوسری طرف بزرگان قوم اور علمائے دین کی یہ حالت تھی کہ ان کے مناظرے اب ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ شیعہ سنی کی بحث اب مکمل خانہ جنگی کی صورت اختیار کر چکی تھی۔

شہر کے امراء میں حکومت کے تختواہداروں کی نسبت تاتاریوں سے اپنے ضمیر اور قوم کی عزت کی قیمت وصول کرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ خلیفہ کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا اور اس کی مند کے سامنے عورتیں رقص کر رہی تھیں۔ قاصد نے اطلاع دی کہ ہلاکو خان بغداد کے قریب پہنچ چکا ہے۔ خلیفہ کے ہاتھ سے شراب کا جام چھوٹ گیا اور اس کی سفید قباب دھبے پڑ گئے۔

ہلاکو خان آندر گئی اور بلا کی طرح نازل ہوا اور بغداد نے وہ تباہی دیکھی جس کے سامنے بابل اور نینوا کی داستانیں پہنچ ہیں۔

میں لاکھ انسانوں میں سے صرف چار لاکھ انسان اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔ دجلہ کا پانی خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ کتب خانوں، درسگاہوں اور مکانوں میں آگ کے شعلے آسمان سے با تمیں کر رہے تھے۔ شہر کے وہ کہنہ مشق مناظر جو برسوں سے ایک دوسرے کو کافر بنارہے تھے۔ وہ امراء اور علماء جو برسوں کی غداری کا آخری انعام حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ خلیفہ جس نے مند پر

بیٹھ کر خدا کے دین کا مذاق اڑایا تھا، بڑے بڑے قیمتی تحائف لے کر ہلاکو خان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن کسی کو زندہ لوٹا نصیب نہ ہوا۔

خلافت عباسیہ کے آخری چشم و چراغ کو قتل کرنے کی بجائے نمدے کی لپیٹ میں ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈالا گیا۔ جب ہلاکو خان کو یہ شک ہوا کہ بعض لوگ زمین دوز پناہوں میں چھپ کر اس کی تلوار اور آگ سے نجٹ گئے ہیں تو اس نے دریا کا بند تڑوا دیا اور ہلاکو خان کی والپسی کے بغداد میں چیلوں اور کتوں کے سوا اور کوئی جاندار موجود نہ تھا..... بغداد قصہ ماضی بن چکا تھا۔ اہل بغداد اپنی یحیتی کا پھل کاٹ پکے تھے۔

.....The End----- ختم شد